آسان فقہ

حصہ دوم

محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (مغربی پاکستان)

طابع : اشفاق مرزا، منیجنگ ڈائریکٹر

ناشر : اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳- ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

مطبع : فضل شریف پرنٹرز لاہور -

اشاعت :

پہلی تا ساتویں : جنوری ۱۹۷۲ء تا اگست ۱۹۷۸ء ۸٬۰۰۰

آٹھویں : فروری ۱۹۸۰ء ۱۰۰۰

نویں : جنوری ۱۹۸۱ء ۲٬۱۰۰

دسویں : فروری ۱۹۸۲ء ۱۱۰۰

گیارھویں : فروری ۱۹۸۳ء ۲٬۰۰

بارھویں جنوری ۱۹۸۴ء ۲٬۱۰۰

تیرھویں فروری ۱۹۸۵ء ۲٬۱۰۰

قیمت : ۲۷/- روپے

كتابُ الزكوٰة
كتابُ الصَّوم
كتابُ الحج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

عرصے سے ایک ایسے مختصر فقہی مجموعے کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو عام فہم اسلوب، آسان زبان اور جدید تصنیفی انداز میں ترتیب دیا گیا ہو تاکہ آسانی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق وہ شرعی احکام و مسائل معلوم کیے جاسکیں جن کی عملی زندگی میں عام طور پر ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔

پچھلے دس سال میں مختلف اطراف سے اس ضرورت کی اہمیت محسوس کرائی گئی رفقار جماعت نے بھی بار بار تقاضا کیا، ناشر محترم نے بھی بارہا متوجہ کیا، اور خود مرتب بھی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۶۰ء میں اس کا مفصل نقشۂ کار بھی مرتب کر لیا، لیکن کام کا آغاز کیا ہی تھا کہ اپنی ہیچمدانی اور بے مائگی کا شدید احساس ہوا۔ محترم انور شاہ کاشمیریؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا، ”میں ہر فن پر مجتہدانہ گفتگو کر سکتا ہوں، لیکن فقہ پر مبتدیانہ گفتگو بھی نہیں کر سکتا“، چنانچہ اختلافات کی اس آماجگاہ میں اقوال و آرار کی بہتات دیکھ کر ہمت جواب دینے لگی اور بجا طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ایسے صاحبِ استعداد اس ضرورت کو پورا کریں جو فقہ سے طبعی مناسبت بھی رکھتے ہوں، اور وسیع ترعلم و مطالعہ بھی، لیکن

انتظار کا دور طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔

آخر کار پھر حوصلہ کیا، اور اپنے محدود علم و مطالعہ کے شدید احساس کے باوجود محض خدائے قادر و توانا کے بھروسے پر اس ارادے کے تحت کام شروع کیا کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی اور اجتہادی کاوش نہ سہی یہ سعادت بھی کچھ کم نہیں کہ فقہ حنفی کی مستند اور رائج کتابوں کو جن پر علماء اور عوام سب ہی اعتماد کرتے ہیں نیز اُن مجموعوں کو جو وقت کے قابل اعتماد اصحاب علم و بصیرت نے جدید پیدا شدہ مسائل اور جدید سائنسی آلات کے احکام سے متعلق مرتب کیے ہیں، سامنے رکھ کر سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں روزمرہ کی ضرورت کے احکام و مسائل پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ ترتیب دیا جائے جس سے ہر ایک سہولت و اطمینان اور رغبت و شوق کے ساتھ استفادہ کر سکے، خدا کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور خدا کے فضل سے زیر ترتیب مجموعے کی پہلی جلد پیشتر شائع ہو کر مقبول ہوئی۔ اس وقت اس کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو تین ابواب کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے، خدا سے دُعا ہے کہ وہ جلد آخری جلد کی اشاعت کے لیے موقع عنایت فرمائے۔ جو معاشرت و معاملات کے احکام پر مشتمل ہو گی۔

یہ تو خدا ہی جانتا ہے اور اسی کی توفیق پر منحصر ہے کہ یہ مجموعہ ناظرین کے لیے کس حد تک مفید ہو سکے گا۔ البتہ خود مرتّب کو اس علمی خدمت کے دوران غیر معمولی فوائد کے حصول کا موقع میسّر آیا، اسلاف کے عظیم ترین علمی کارناموں اور حیران کُن محنت و کاوش کو قریب سے دیکھ کر ان کی قدر و عظمت کا حقیقی احساس ہوا، عقیدت کو حقیقت کی بنیاد ملی، فکر و نظر کو وسعت اور جِلا نصیب ہوئی اور یہ یقین پختہ تر ہوتا

گیا، کہ ان ائمۂ دین نے زندگیاں کھپا کر جو عظیم الشان علمی احسانات کیے ہیں ان سے امت نہ کبھی سبک دوش ہو سکتی ہے اور نہ کبھی بے نیاز۔

اس وقت عالم اسلام میں چار فقہیں رائج ہیں، فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی، نیز ایک گروہ اور ہے جو ان فقہا کی تقلید کا قائل نہیں ہے اور وہ براہ راست کتاب و سنت سے مسائل و احکام معلوم کرنے کی تاکید کرتا ہے یہ لوگ سلفی یا اہلِ حدیث کہلاتے ہیں، ——— یہ سارے ہی مسلک برحق ہیں، سب کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے ہر مکتبِ فکر نے زیادہ سے زیادہ کتاب و سنت کی روح اور منشار کو پانے کی فکر کی ہے اور ہر ایک کا اصل محرک یہ پاکیزہ جذبہ ہے کہ کتاب و سنت کی پیروی کا حق ادا ہو سکے۔

ان میں سے کسی مکتب فکر کی تنقیص و تحقیر کرنا، کسی پر طنز و تعریض کرنا، اور فقہی اور فروعی اختلافات کی بنیاد پر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور گروہ بندیوں کی لعنت میں گرفتار ہو کر باہم دست و گریباں ہونا اہلِ حق اور اہلِ اخلاص کا شیوہ ہرگز نہیں، افہام و تفہیم، ترجیح و انتخاب، اور اظہار رائے تو ایک علمی ضرورت ہے، جس کی حوصلہ افزائی ہونا چاہیے، لیکن معمولی فقہی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنا لینا اور اختلاف رائے رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دے کر اس کے خلاف محاذ قائم کرنا فہم دین سے محرومی بھی ہے اور اسلاف کی سنت سے انحراف بھی۔

برصغیر میں اگرچہ ہر مسلک کے پیرو موجود ہیں، لیکن ان میں عظیم اکثریت حنفی مسلک ماننے والوں کی ہے، یہ کتاب "آسان فقہ" خاص طور پر انہی کے لیے مرتب کی گئی ہے، اس میں باہمی اختلافات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف وہی متفقہ عملی

مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن پر احناف کا عمل ہے اور جو عام طور پر پیش آتے ہیں، تاکہ عام مسلمان ذہنی خلفشار سے محفوظ رہتے ہوئے، یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنے مسلک کے مطابق عمل کر سکیں۔

فقہ کی متداول کتابوں کے بعض مسائل پر وقت کے بعض قابلِ اعتماد علماء نے مزید غور و فکر کیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں اختلافِ رائے کا اظہار کیا ہے یا کسی تجویز کی سفارش کی ہے، اس طرح کی جس رائے یا تجویز کو مرتب نے صحیح اور ترجیح سمجھا ہے حاشیہ میں اس کو نقل کر دیا ہے تاکہ جن لوگوں کو ان پر شرح صدر ہو وہ کسی تنگی کے بغیر اطمینان کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں۔

مسائل و احکام بیان کرنے کے ساتھ عبادات و اعمال کی فضیلت و اہمیت پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے تاکہ احکام معلوم ہونے سے پہلے احکام کی پیروی کے لیے ذہن و جذبات تیار ہو سکیں۔

حسبِ ضرورت جگہ جگہ فقہی اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں، اور ان کا استعمال ناگزیر ہے اس لیے بھی کہ مسلمان کے لیے ان سے واقف ہونا ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ اصطلاح کے بجائے بار بار اس کے مفہوم و مراد کی تشریح بھی باعث طوالت بھی ہے، اور ذوق پر گراں بھی۔ البتہ کتاب کے آخر میں ان اصطلاحات کی ایک مستقل فہرست حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق دے کر ہر اصطلاح کے مفہوم و مراد کی وضاحت کر دی گئی ہے، تاکہ بیک نظر تمام اصطلاحات کو یکجا دیکھا اور سمجھا جا سکے، اور یاد کرنے والوں کو بھی سہولت ہو اور ضرورت کے وقت آسانی کے ساتھ ہر اصطلاح کا مفہوم معلوم کیا جا سکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر تسلسل کے ساتھ فقہ اسلامی میں اجتہادی اور تحقیقی پیش رفت ہونی چاہیئے تو یہ حیات ملی کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے دراصل فقہ ایک ایسا ترقی پذیر موضوع ہے جو نہ صرف ترقی پذیر زندگی کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ راہ ہموار کر کے زندگی کے نوک پلک درست کرنا فقہ ہی کا کام ہے۔ فکر و اجتہاد کی قوتوں کو معطل اور بے دم کر کے وقت کے تقاضوں سے نا آشنا اور بے تعلق رہنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں تعمیر حیات کا حق ادا نہ کرنا ملت کو زندگی کی رعنائیوں سے محروم رکھنے کی کھلی ہوئی علامت بھی ہے اور اس کا بنیادی سبب بھی۔ دراصل اسلام کو ایک برتر اور ابدی نظام کی حیثیت سے غالب اور نافذ دیکھنے کی آرزو رکھنے والے اسلام پسندوں کا فطری اور منصبی فریضہ ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں پر گہری نظر رکھیں، انہیں سمجھنے کی حکیمانہ کوشش کریں اور آگے بڑھ کر علم و عمل کے ہر میدان میں اسلامی قانون کی برتری ثابت کریں اور نہ صرف ارتقاپذیر زندگی کا ساتھ دیں بلکہ اظہار دین اور غلبۂ حق کے لیے ہمہ جہتی جدوجہد کر کے اپنے نصب العین (Ideal) کے مطابق اس کی تاریخ سازی کا حق ادا کریں۔

دین و ملت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ ہر دور میں ارباب علم و فکر کا ایک ایسا گروہ (Team) موجود رہے، جس کے افراد نہ صرف یہ کہ دین کے علوم میں گہری بصیرت رکھتے ہوں بلکہ عملاً بھی ان کو دین سے حقیقی شغف ہو اور ان کی زندگیاں دین کی آئینہ دار ہوں، پھر وہ دورِ حاضر کے نئے پیدا شدہ مسائل اور نت نئے حالات سے بھی باخبر ہوں، اور حکمت و فراست، ترجیح و تمیز، انتخاب و اختیار، اور حسن فیصلہ

کی اجتہادی قوتوں سے بھی بہرہ ور ہوں اور زندگی کے گوناگوں مسائل کو کتاب و سنت کی روح و منشا کے مطابق حل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں، اور بحیثیت مجموعی اسلامی اقدار کے احیاء و نفاذ کی غیر معمولی تڑپ اور حکمت کار کے جوہروں سے بھی آراستہ ہوں۔

یہ گروہ ملّت کا سرمایۂ حیات ہے اور اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ملّت کا اہم ترین فریضہ اور دین کا عین منشا ہے، اصلاً تو اس گروہ کی سرپرستی اور کفالت اسلامی نظام حکومت کا منصب ہے، لیکن جب اور جہاں مسلمان اپنی مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوں وہاں بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کا دینی اور ملّی فرض ہے کہ وہ اس گروہ کی سرپرستی کریں اور اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنے کی عادت ڈالیں۔ اس لیے کہ اس گروہ کا وجود نہ صرف ملّت کے تحفظ و بقا کا ذریعہ ہے بلکہ اسلامی نظام کا تعارف اور قیام بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

کوئی بھی انسانی کوشش ہو وہ خطا سے محفوظ نہیں ہو سکتی، اہل علم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ جو غلطی اور کوتاہی محسوس کریں ضرور مطلع فرمائیں یہ ان کا فرض بھی ہے اور میرا حق بھی۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرفِ قبول بخشے اور مسلمانوں کے لیے اس کو نافع ثابت فرمائے، اور مرتّب کے حق میں اس کو ذخیرۂ آخرت اور بہانۂ مغفرت بنائے۔ آمین۔

۲۲ مئی ۱۹۶۹ء

محمد یوسف

فہرست مضامین

کتابُ الزکوٰۃ

کتابُ الحج

اصطلاحات

۱۔ اِحرام۔ حج کی نیت کرکے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے، احرام باندھنے والے کو محرم کہتے ہیں۔جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ سب حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح اِحرام باندھ لینے کے بعد بہت سے وہ کام ممنوع ہو جاتے ہیں جو پہلے مباح تھے، اسی لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔

۲۔ اِحصَار۔ اِحصار کے لغوی معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں ــــــ اصطلاح میں اِحصار سے مُراد یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کی نیت کرلے اور پھر وہ حج یا عُمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

۳۔ اِستلام۔ استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا ــــــ اور اصطلاح میں استلام سے مُراد ہے حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رُکنِ یمانی کو چھونا۔طواف کا ہر چکر شروع کرتے وقت اور ہر طواف کے ختم پر حجرِ اسود کا استلام کرنا سنّت ہے اور رُکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے۔

۴۔ اِضطباع۔ چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے، اور داہنا شانہ کھُلا رہے، یہ عمل چستی اور قوت ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ خدا کے سپاہی، دین کی دشمن طاقتوں سے لڑنے کے لیے ہر وقت کمربستہ ہیں۔

۵- **اعتکاف** - اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی کچھ وقت کے لیے دنیوی تعلقات اور مصروفیات سے الگ ہو کر کسی مسجد میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں رہے رمضان کے آخری عشرے میں یہ عمل کرنا سنّت مؤکدہ کفایہ ہے۔

۶- **آفاقی** - میقات سے باہر کے علاقوں میں رہنے والوں کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، ان کے بعض مسائل میقات کے اندر رہنے والوں سے مختلف ہیں اس لیے اس اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔

۷- **اِفراد** - اِفراد حج کی ایک قسم ہے، اس سے مُراد یہ ہے کہ حج کرنے والا صرف حج کی نیت کرے۔ حج کے ساتھ عمرے کی نیّت نہ کرے، حج اِفراد کرنے والے کو "مُفرد" کہتے ہیں۔

۸- **اِلمام** - اِلمام کے معنی ہیں اتر پڑنا، اِصطلاح میں اس سے مُراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا اِحرام کھولنے کے بعد اپنے گھر کے لوگوں میں اُتر پڑے، حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرے اور حج کے درمیان اِلمام کرنا جائز نہیں۔ مسئلہ صفحہ ۱۳۰ پر دیکھیے۔

۹- **اوقیہ** - ایک وزن ہے جو چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔

۱۰- **ایامِ بیض** - ہر مہینے کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں تاریخوں کو ایام بیض یعنی روشن ایام کہتے ہیں۔

۱۱- **ایامِ تشریق** - ماہ ذوالحجہ کی ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ تاریخ کو ایامِ تشریق کہتے ہیں اور ذوالحجہ کی ۹/ تاریخ کو "یوم عرفہ" اور ۱۰/ تاریخ کو "یوم نحر" کہتے ہیں، اور ان پانچوں ایام کو ملا کر بھی ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

۱۲- **تحلیق و تقصیر**۔ تحلیق کے معنی ہیں سر منڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں بال کتروانا، حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈانا یا کتروانا واجب ہے۔

۱۳- **تلبیہ**۔ زائرِ حرم کی ایک مخصوص دُعا جس کو وہ برابر پڑھتا رہتا ہے، ہر نشیب میں اُترتے ہوئے ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے، ہر فرض نماز سے فارغ ہو کر، ہر نئے قافلے سے ملاقات کے وقت اور ہر صبح و شام غرض حج کے دوران برابر اس دعا کا وِرد رہتا ہے، تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

۱۴- **تمتع**۔ تمتع حج کی ایک قسم ہے، تمتع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت کے لیے فائدہ اٹھانا اور اصطلاح میں حجِ تمتع یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرہ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے لیے الگ الگ اِحرام باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو اِحرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں اور پھر حج کا اِحرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے، چونکہ اس طرح عمرے اور حج کے درمیان کچھ وقت کے لیے اِحرام کھول کر حلال ہونے کا فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے اس لیے اس کو حجِ تمتع کہتے ہیں۔ اور ایسے شخص کو متمتع کہتے ہیں۔

۱۵- **تملیک**۔ تملیک کے معنی ہیں مالک بنانا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا مالک جس کے حوالے کیا جائے اس کو مالک بنا دیا جائے کہ وہ جیسے چاہے خرچ کرے۔

۱۶۔ جنایت۔ جنایت کے لغوی معنی ہیں کوئی ممنوع اور بُرا کام کرنا، لیکن حج کے سلسلے میں اس اصطلاح سے مُراد کوئی ایسا ممنوع کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا حالتِ اِحرام میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو۔ جنایت ہو جانے کی صورت میں اس کا تاوان قربانی یا صدقے کی شکل میں دینا واجب ہوتا ہے۔

۱۷۔ جدال۔ جدال کے معنی ہیں لڑائی جھگڑا کرنا۔ لڑائی جھگڑا تو بہر حال ناپسندیدہ ہے لیکن چونکہ حج کے دوران بڑا ازدحام ہوتا ہے اس لیے قدم قدم پر اس سے بچنے کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔

۱۸۔ حرام۔ جس بُرے کام سے بچنا قرآن نے ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے اس کو حرام کہتے ہیں۔

۱۹۔ درہم۔ درہم جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی کے برابر ہوتا ہے۔

۲۰۔ دمِ اِحصار۔ عمرے یا حج کی نیت کر لینے کے بعد کوئی شخص کسی وجہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے سے روک دیا جائے تو اس کو حسبِ مقدور قربانی دینی ہوتی ہے، اس قربانی کو دمِ اِحصار کہتے ہیں یعنی وہ خون جو احصار کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔

۲۱۔ رفث۔ رفث سے مُراد جنسی فعل یا اس سے متعلق گفتگو کرنا ہے، حج کے دوران یہ فعل اور اس طرح کی گفتگو ممنوع ہے، اشاروں میں بھی اس طرح کی کوئی بات نہ کرنا چاہیے۔

۲۲۔ رکاز۔ رکاز سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین کے اندر ہوں خواہ کسی کی دفن کردہ یا

قدرتی طور پر ہوں۔
۲۳۔ رکن۔ رکن ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر اس چیز کے قائم ہونے کا دارو مدار ہو۔
۲۴۔ رمل۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں شانے ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ ہجری میں صحابہ کرام رض کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مکے تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا ان لوگوں کا حال کیا ہو رہا ہے! دراصل مدینے کی آب و ہوا کی خرابی کا اثر تھا، اور سب ہی کمزور ہو گئے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپؐ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں لوگ رمل کریں یعنی دُلکی چال چلیں اور قوت وطاقت کا مظاہرہ کریں۔
۲۵۔ رمی۔ لغت میں رمی، پھینکنے اور نشانہ لگانے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں رمی سے مُراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے۔ منیٰ میں کچھ فاصلے سے تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں، ان جمرات پر کنکریاں مارنا، یعنی رمی کرنا واجب ہے۔
۲۶۔ زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا بڑھانا اور نشوونما دینا اصطلاح میں سال گزرنے پر اپنے مال و دولت میں سے شریعت کے مقرر کیے ہوئے حصے کو نکالنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔
۲۷۔ سائمہ۔ سائمہ سے مراد وہ جانور ہیں جن کا گزارہ جنگل اور میدان کی گھاس پر ہو ان کے لیے چارہ مہیا نہ کیا جاتا ہو اور وہ دودھ اور افزائش نسل کی غرض سے پالے گئے ہوں۔

۲۸۔ سعی۔ لغت میں سعی کے معنی ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا۔ اصطلاح میں سعی سے مُراد حج کا وہ عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے، آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب ہے۔

۲۹۔ سنّت۔ سنت وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام نے کیا ہو۔

۳۰۔ شرط۔ شرط کسی کام کے صحیح ہونے کا مدار جس چیز پر ہوتا ہے اس کو شرط کہتے ہیں۔

۳۱۔ شوط۔ شوط کے معنی ہیں چکر لگانا اور اصطلاح میں شوط سے مُراد بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگانا ہے۔

۳۲۔ صاع۔ صاع ایک پیمانہ ہے جو اسی روپے والے سیر کے حساب سے دو سیر اور تقریباً چھ چھٹانک ہوتا ہے یعنی دو کلو اور دو سو بیس گرام (۲،۲۲۰)۔

۳۳۔ صوم۔ صوم یا صیام کے معنی ہیں کسی چیز سے رُک جانا اور اس کو ترک کر دینا اصطلاح میں آدمی کے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہنا۔

۳۴۔ ضرورت اصلیہ۔ ضرورت اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقا اور عزت و آبرو کی حفاظت کا دار و مدار ہے۔

۳۵۔ طوافِ قدوم۔ مکے میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں، طوافِ قدوم کو طوافِ تحیہ

اور طوافِ لقاء بھی کہتے ہیں۔ طوافِ قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔

۳۶۔ **طوافِ زیارت**۔ طوافِ زیارت حج کا ایک رکن ہے وقوفِ عرفات کے بعد ۱۰ ذوالحجہ کو جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ زیارت یا طوافِ افاضہ کہتے ہیں، طوافِ زیارت فرض ہے اور اس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔

۳۷۔ **طوافِ وداع**۔ بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں۔ یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ چمٹ کر اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے:

"کوئی شخص طوافِ رخصت کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو"

مگر اس خاتون کے لیے اجازت ہے جو حالتِ حیض میں ہو۔[1]

۳۸۔ **عاملین زکوٰۃ**۔ عاملین زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل، تقسیم اور حساب کتاب نیز مال زکوٰۃ کی حفاظت کے کام پر مامور ہوں۔

---

[1] بخاری۔

۳۹۔ **عُشر**۔ عُشر زمین کی پیداوار میں جو دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے اُس کو عُشر کہتے ہیں بارانی زمینوں میں دسواں حصہ دینا ہوتا ہے اور ان زمینوں میں بیسواں حصہ دینا ہوتا ہے جو مصنوعی ذرائع سے سیراب کی جاتی ہیں۔

۴۰۔ **عُمرہ**۔ عُمرہ کے معنیٰ ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا اور اصطلاح میں اس سے مُراد وہ چھوٹا حج ہے جو ہر وقت ہو سکتا ہے، اس کے لیے کوئی خاص مہینہ اور دن مقرر نہیں ہے جس وقت جی چاہے اِحرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں، اور تحلیق یا تقصیر کر کے اِحرام کھول دیں۔ عُمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے اور حج سے علیٰحدہ بھی۔ عُمرہ کرنے والے کو مُعتمر کہتے ہیں۔

۴۱۔ **فدیہ**۔ فدیہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں شریعت نے معذور کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ اس کے بدلے صدقہ فطر کے بقدر کسی محتاج کو غلہ دے دے یا صبح و شام دونوں وقت کھانا کھلا دے اس کو اصطلاح میں فدیہ کہتے ہیں فدیہ میں غلہ دینا اور کھانا کھلانا بھی درست ہے اور غلّے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

۴۲۔ **فرض**۔ فرض وہ فعل جس کا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور جو شخص کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

۴۳۔ **قِران**۔ قِران کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا اور اصطلاح شرع میں قِران یہ ہے کہ آدمی حج اور عُمرے کا اِحرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرے، حج قِران کرنے والے کو قارِن کہتے ہیں، حجِ قِران، حجِ اِفراد اور حجِ تمتع دونوں سے افضل ہے۔

۴۴۔ قیراط ۔ ایک قیراط پانچ جَو کے برابر ہوتا ہے اور بیس قیراط کا ایک مثقال ہوتا ہے۔

۴۵۔ کفارہ۔ کسی شرعی کوتاہی کی تلافی کے لیے شریعت نے جو عمل بتایا ہے اس کو کفّارہ کہتے ہیں۔

۴۶۔ لیلۃ القدر۔ رمضان المبارک کی اس مبارک رات کو کہتے ہیں جس میں قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا، رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں لیلۃ القدر کو قرآن میں لیلۃ مبارکہ بھی کہا گیا ہے یہ ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

۴۷۔ متمتع ۔ حج تمتع کرنے والے شخص کو متمتع کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے۔

۴۸۔ مثقال ۔ ایک وزن کا نام ہے جو تین ماشے اور ایک رتی کے برابر ہوتا ہے۔

۴۹۔ محرم ۔ جو شخص میقات سے حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتا ہے اس کو محرم کہتے ہیں۔

۵۰۔ "محصر"۔ حج یا عمرے کا ارادہ کر لینے کے بعد جو شخص حج یا عمرے سے روک دیا جائے اس کو "محصر" کہتے ہیں، حج سے روکے جانے کی صورت میں محصر پر حسب مقدور قربانی واجب ہو جاتی ہے جس کو دم احصار کہتے ہیں،

۵۱۔ مفرد۔ جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اس کو "مفرد" کہتے ہیں اور ایسے حج کو حج افراد کہتے ہیں۔

۵۲۔ مکروہ تنزیہی۔ وہ فعل جس سے بچنے میں اجر و ثواب تو ہے لیکن جو شخص نہ

بچے وہ گنہگار بھی نہیں ہے۔

۵۳۔ **مکروہ تحریمی۔** ہر وہ فعل جس سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے جو شخص کسی واقعی عذر کے بغیر اس کو اختیار کرے وہ سخت گنہگار ہے البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

۵۴۔ **میقات۔** میقات سے مراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لے احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں۔

۵۵۔ **واجب۔** واجب سے مراد وہ عمل ہے جس کا کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض کی طرح لازمی ہے جو شخص اس کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دے یا کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق، گمراہ اور مستحق عذاب ہے یہ سنت مؤکدہ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے البتہ واجب کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

۵۶۔ **وسق۔** وسق سے مراد ایک اونٹ کا وزن ہے جو ساٹھ (۶۰) صاع کا ہوتا ہے۔

۵۷۔ **وقوف۔** وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے، عرفات میں وقوف، مزدلفے میں وقوف، اور منیٰ میں وقوف۔ وقوف کرنے کا مطلب ہے کہ آدمی ان مقامات پر پہنچ جائے، وقوف کی نیت کرنا اور وہاں کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اہل حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا بھی شرط ہے۔

سب سے اہم وقوف، وقوفِ عرفات ہے۔ وقوفِ عرفات کا وقت

۹ر ذوالحجہ کو بعدِ زوال، ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، اس لیے اسی وقت پہنچ جانا چاہیئے، لیکن چونکہ یہ حج کا رکن اعظم ہے اور اسی پر ادائے حج کا دارومدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی دے کر سہولت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ۹ر ۱۰ر ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ مزدلفے میں وقوف واجب ہے اور منیٰ میں وقوف مسنون ہے۔

۵۸۔ ہدی۔ ہدی کے لغوی معنی ہیں، تحفہ اور ہدیہ، اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرم قربانی کرنے کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۵۹۔ یوم ترویہ۔ ماہ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم ترویہ کہتے ہیں یوم ترویہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں اور جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر کے سفر کے لائق بنا دیا جاتا ہے۔

۶۰۔ یوم عرفہ۔ ماہ ذوالحجہ کی ۹ر تاریخ یعنی حج کے دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں اور یوم عرفہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن زائرینِ حرم میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

۶۱۔ یوم نحر۔ ماہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو یوم نحر کہتے ہیں۔ یوم نحر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے نحر یعنی قربانی شروع ہوتی ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زکوٰۃ کا بیان

نماز اور زکوٰۃ، دراصل پورے دین کی ترجمانی کرنے والی دو اہم عبادتیں ہیں بدنی عبادات میں نماز پورے دین کی نمایندگی کرتی ہے اور مالی عبادات میں زکوٰۃ پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے، بندے پر دین کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی دو ہی قسمیں ہیں، خدا کے حقوق، اور بندوں کے حقوق، نماز بندے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے، اور زکوٰۃ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے، اور ان دونوں حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔

زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا اعظیم رکن ہے، دین میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان کے بعد نماز کا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین میں نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور مقام کیا ہے دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، اور یہی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے

بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی جانب رخصت کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ

"تم وہاں ان لوگوں میں پہنچ رہے ہو، جن کو کتاب دی گئی تھی، تم ان کو سب سے پہلے شہادت ایمان کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جب وہ اس حقیقت کا اعتراف کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر شب و روز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض فرمایا ہے جو ان کے خوش حال افراد سے وصول کیا جائے گا اور ان کے نادار اور حاجت مند افراد میں تقسیم کیا جائے گا جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیں تو زکوٰۃ وصول کرنے میں ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بد دعا سے بچے رہنا۔ کیونکہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔" [1]

زکوٰۃ کے معنی

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک ہونا، بڑھنا، نشوونما پانا، اور "اصطلاحِ فقہ" میں زکوٰۃ سے مراد یہ مالی عبادت ہے کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقدار ان لوگوں کے لیے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

---

[1] بخاری، مسلم۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک وطاہر ہوجاتا ہے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے، اور آخرت میں بھی اتنا اجر و انعام دیتا ہے جس کا انسان تصور نہیں کرسکتا، اسی لیے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی حقیقت

خدا کی خوشنودی کے لیے جب مومن اپنا محبوب اور دل پسند مال خدا کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے دل میں ایک نور اور جلا پیدا ہوتی ہے، مادی کثافتیں اور دنیوی محبتیں ختم ہوتی ہیں، اور قلب و روح میں ایک تازگی، لطافت، پاکیزگی اور محبت الٰہی کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنا خود محبت الٰہی کا ثبوت بھی ہے اور محبت الٰہی کے پروان چڑھانے کا مؤثر اور مستند ذریعہ بھی۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت اور دولت کی صحیح تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ وہ خدا کی فرض کی ہوئی ایک اہم عبادت ہے جس کے بغیر نہ آدمی کے قلب و روح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ وہ خدا کا مخلص اور محسن بندہ ہی بن سکتا ہے، زکوٰۃ دراصل خدا کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے قانونی زکوٰۃ تو بلاشبہ یہی ہے کہ جب خوش حال آدمی کے مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اپنے مال میں سے ایک مقرر حصہ مستحقین کے لیے نکال لے، لیکن زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے ذریعے مومن کے دل سے دنیا کی تمام مادی محبتیں نکال کر اپنی محبت بٹھانا چاہتا ہے، اور یہ تربیت دینا چاہتا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال اپنی جان اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں قربان کرکے روحانی سرور محسوس کرے، اور

سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر شکر کے جذبات سے سرشار ہو کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق دی اسی لیے شریعت نے زکوٰۃ کی ایک قانونی حد مقرر کر کے بتا دیا کہ اتنا خرچ کرنا تو ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے اتنا خرچ کیے بغیر تو ایمان ہی مشتبہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری قوت کے ساتھ یہ ترغیب بھی دی کہ مومن اسی کم سے کم مقدار پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی عادت ڈالے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زندگیوں سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے وہ ساری بکریاں اس سائل کے حوالے کر دیں۔ جب وہ شخص اپنے لوگوں میں واپس پہنچا تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"لوگو! مسلمان ہو جاؤ! محمدؐ تو اتنا دیتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس ہونے کا ذرا خوف نہیں ہوتا۔" [1]

ایک بار حضرت حسینؓ کے دروازے پر ایک سائل آیا اور بولا۔

"اے پیغمبر کے بیٹے! مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے۔"

آپ نے اسی وقت گھر سے چار سو درہم منگوائے اور سائل کے حوالے کر دیئے

---

[1] کشف المحجوب ترجمہ کشف الحجاب۔

اور رونے لگے ۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

"روتا اس لیے ہوں کہ میں نے اس شخص کے سوال کرنے سے پہلے ہی اس کو یہ رقم کیوں نہیں دے دی کہ اس کو سوال کرنا پڑا۔ یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ یہ شخص میرے پاس آئے اور میرے سامنے دست سوال[1] دراز کرے۔"

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار بکری ذبح ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا "بکری کے گوشت میں سے کچھ باقی رہ گیا؟"

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "صرف اس کی ایک دست باقی رہ گئی ہے (باقی سب تقسیم کر دیا گیا)۔

ارشاد فرمایا "نہیں بلکہ اس دست کے علاوہ جو کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے وہی درحقیقت باقی رہا ہے[2] (اور آخرت میں اسی کا اجر متوقع ہے)۔"

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ "خدا کے بھروسے پر فراخ دستی سے اس کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنتی شمار کے چکر میں مت پڑو۔ اگر تم اس کی راہ میں گن گن کر دو گی تو پھر وہ بھی تمہیں گن گن کر ہی دے گا اور دولت کو سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ خدا بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا۔ (اور تم پر بے حساب دولت نہیں انڈیلے گا۔ لہٰذا جہاں تک ہمت باندھ سکو، کشادہ دستی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔"[3]

---

[1] کشف المحجوب۔

[2] جامع ترمذی۔

[3] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے سے کہتا ہے "اے آدم کے فرزند! میری راہ میں خرچ کیے جا، مَیں تجھے (اپنے اتھاہ خزانے میں سے) دیتا رہوں گا"۔ [1]

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا، آپ اس وقت کعبے کے زیرِ سایہ آرام فرما تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا۔

"ربِّ کعبہ کی قسم وہی لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں۔

مَیں نے پوچھا، "میرے ماں باپ آپ پہ قربان بتائیے وہ کون لوگ ہیں، جو زبردست گھاٹے میں ہیں؟"

ارشاد فرمایا "وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار اور خوش حال ہیں، ہاں ان میں سے وہی گھاٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں جو کشادہ دلی کے ساتھ آگے پیچھے دائیں، بائیں اپنی دولت راہِ خدا میں صرف کر رہے ہیں مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں"۔ [2]

نظامِ زکوٰۃ کا مقصد

زکوٰۃ کا نظام دراصل مومن کے دل سے حُبِّ دنیا اور اس جڑ سے پیدا ہونے والے سارے جھاڑ جھنکار صاف کر کے خالص خدا کی محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب بندۂ مومن محض زکوٰۃ ادا کرنے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی اس روح کو جذب کرنے کی کوشش کرے، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، خدا ہی کا ہے،

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

[2] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

اور اس کو اسی کی راہ میں قربان کر کے ہم اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کی اس روح اور مقصد کو جذب کیے بغیر نہ تو کوئی بندہ خدا کے بندوں سے محض خدا کے لیے محبت کر سکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے میں اتنا حساس اور فراخ دست ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام دراصل پورے اسلامی سماج کو بخل، تنگ دلی، خود غرضی، بغض، حسد، سنگ دلی اور استحصال جیسے رکیک جذبات سے پاک کر کے اس میں محبت، ایثار، احسان، خلوص، خیر خواہی، تعاون، مواسات اور رفاقت کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ہمیشہ ہر نبی کی اُمت پر فرض رہی ہے، اس کی مقدار، نصاب اور فقہی احکام میں ضرور فرق رہا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم بہر حال ہر شریعت میں موجود رہا ہے۔

زکوٰۃ پچھلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس حقیقت اور روح پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مومن کے لیے ایک ناگزیر عمل ہے ایک لازمی صفت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں یہ حکم موجود رہا ہے۔

قرآن کی شہادت ہے کہ زکوٰۃ تمام انبیاء کی امتوں پر اسی طرح فرض رہی ہے جس طرح نماز فرض رہی ہے، سورۂ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ وہ فکر انگیز مکالمہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ہوا تھا۔ پھر اسی ضمن میں حضرت لوط، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔

(انبیاء: ۷۳)

"اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے تحت رہنمائی کا فرض انجام دیتے تھے۔ اور ہم نے ان کو وحی کے ذریعے نیک کام کرنے، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"

قرآن میں متعدد مقامات پر اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے جو یہود سے لیا گیا تھا، اس کی اہم دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ۔ (بقرہ: ۸۳)

"اور یاد کرو! بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا؟"

ایک دوسرے مقام پر بنی اسرائیل ہی سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوةَ۔ (المائدہ: ۱۲)

"اور اللہ نے بنی اسرائیل سے کہا، میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صراحت کی ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو تاکید کیا کرتے تھے، کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ (مریم: ۵۵)

"اور اسمٰعیل اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے ہی پسندیدہ انسان تھے۔"

اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے، منصب نبوت پر اپنے مامور ہونے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ خدا نے مجھے، تا زیست نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت وصیت کی ہے۔

وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم: ۳۱)

"اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں جب تک زندہ رہوں۔"

زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی غیر معمولی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں کم از کم بتیس[۳۲] مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور ایمان کے بعد اولین مطالبہ نماز اور زکوٰۃ ہی کا ہے، درحقیقت ان دو عبادتوں

پر کاربند ہونا، پورے دین پر کاربند ہوتا ہے، جو بندہ خدا کے حضور مسجد میں بندگی کے انتہائی گہرے جذبات کے ساتھ اپنے جسم و روح کو خدا کے حضور ڈال دے وہ مسجد کے باہر خدا کے حقوق سے کیوں کر غفلت برت سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اپنا محبوب مال و متاع خدا کی رضا کے لیے خدا کی راہ میں خوشی خوشی لٹا کر سکون و طمانیت محسوس کرے وہ بندوں کے دوسرے حقوق کیوں کر پامال کر سکتا ہے، اور اسلام دراصل خدا اور بندوں کے حقوق ہی سے عبارت ہے، اسی لیے قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی پہچان اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی شہادت قرار دیا ہے، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اظہار فرمانے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر یہ کفر و شرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ پر کاربند ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اسلامی سوسائٹی میں ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ؕ (توبہ : ۱۱)

"پھر اگر یہ (کفر و شرک سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

یہ آیت بتاتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان و اسلام کی واضح علامت اور قطعی شہادت ہے، اور اسی لیے قرآن نے زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت کا منکر اور ایمان سے محروم بتایا ہے۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۙ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (فصلت ۶، ۷)

"اور تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔"

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو آپ نے ان کو اسلام سے خروج اور ارتداد کے ہم معنیٰ سمجھا اور اعلان فرمایا کہ

"یہ لوگ دورِ رسالت میں جو زکوٰۃ دیتے تھے اگر اس میں سے بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔"

حضرت عمر رضؓ نے صدیق اکبر رضؓ کو ٹوکا اور فرمایا، "آپ ان لوگوں سے بھلا کیوں کر جہاد کر سکتے ہیں جو کلمہ کے قائل ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔

"جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دے، تو اس کا جان و مال میری طرف سے محفوظ و مامون ہو گیا۔"

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے یہ سُن کر اپنے آہنی عزم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ [1]

"خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے میں اُن کے خلاف لازماً جنگ کروں گا۔"

نماز اور زکوٰۃ دین کے دو بنیادی ارکان ہیں، ان کا انکار یا ان میں تفریق کرنا

---

[1] بخاری، مسلم۔

دراصل خدا کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے، اور مومن کا کام یہی ہے کہ وہ مرتد کے خلاف جہاد کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔

"ہم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز بھی نہیں ہے"۔[۱]

قرآن پاک میں ان لوگوں کو ہدایت سے محروم قرار دیا ہے جو زکوٰۃ سے غافل ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (البقرہ ۲، ۳)

"ہدایت ہے ان متقیوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں"

اور قرآن کی نظر میں فی الواقع سچے مومن وہی ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔ (الانفال: ۳، ۴)

"وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں"

---

[۱] طبرانی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے

"سخی آدمی خدا سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، بندگانِ خدا سے قریب ہے، اور جہنم سے دُور ہے، اور بخیل آدمی خدا سے دُور ہے، جنت سے دُور ہے، بندگانِ خدا سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ایک جاہل سخی، ایک عابد بخیل کے مقابلے میں خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے"[1]

زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے قرآن حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انتہائی دردناک سزاؤں اور لرزہ خیز عذابوں کی خبر دے کر متنبہ کیا ہے کہ وہ فنا ہونے والے مال و متاع کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، اور اس عذاب سے بچیں جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (توبہ: ۳۴، ۳۵)

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو ایک دن آئے گا

---

[1] جامع ترمذی۔

کراسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت میں "کنز" کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "کنز" سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو متنبہ کرنے کے لیے آخرت کے لرزہ خیز عذاب کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

"جس آدمی کو خدا نے مال و دولت سے نوازا، پھر اُس شخص نے اُس مال کی زکوٰۃ نہیں دی، تو اس مال کو قیامت کے روز انتہائی زہریلے ناگ کی شکل دے دی جائے گی۔ زہر کی شدت کے باعث اُس کا سر گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ قیامت کے روز وہ ناگ اس (زر پرست بخیل) کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کے دونوں جبڑوں میں اپنے زہریلے دانت گاڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں، اور پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط (آل عمران : ۱۸۰)

"جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ

بخل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخل اور زرپرستی ان کے حق میں بہتر ہے، یہ روشنی ان کے لیے نہایت ہی بُری ہے وہ اپنی کنجوسی سے جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔"

نیز آپؐ نے صحابۂ کرام رضؓ کو خطاب کرتے ہوئے زکوٰۃ سے غفلت کے عبرتناک انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

"تم میں سے کوئی شخص قیامت کے روز اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر لدی ہوئی ہو، اور مجھے حمایت کے لیے پکارے اور میں اُس سے کہوں کہ میں آج تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور دیکھو اُس روز کوئی اپنا اونٹ اپنی گردن پر لادے ہوئے میرے پاس نہ آئے، وہ مجھے مدد کے لیے پکارے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا، میں نے تو خدا کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے۔"[1]

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خواتین کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "تم ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو یا نہیں؟"

خواتین نے کہا، نہیں

آپ نے فرمایا "تو کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔

---

[1] بخاری۔

خواتین نے کہا "ہرگز نہیں"

تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ "ان کی زکوٰۃ دیا کرو" [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

"لوگو! حرص اور لالچ سے دور رہو، تم سے پہلے جو لوگ تباہ و برباد ہوئے اسی حرص اور لالچ کی بدولت ہوئے حرص نے ان میں بخل اور تنگ دلی پیدا کی، اور وہ بخیل اور زرپرست ہوگئے اور اسی نے اُن کو قطع رحم پر اُبھارا اور اُنھوں نے قطع رحم کا جرم کیا اور اسی نے اُن کو بدکاریوں پر آمادہ کیا اور وہ بدکاری پر اُتر آئے" [2]

قرآن و سنت کی ان تنبیہات ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام زکوٰۃ و صدقات کا انتہائی اہتمام فرماتے، اور بعض کے احساسات تو اس معاملے میں اتنے شدید تھے کہ وہ ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کی تو یہ مستقل عادت ہوگئی تھی کہ جہاں کچھ لوگوں کو جمع دیکھتے، ان کو زکوٰۃ کی طرف ضرور متوجہ کرتے۔

زکوٰۃ کی تاکید و ترغیب

زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر قرآن پاک میں بیاسی مقامات پر اس کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا، ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی۔

[2] ابوداؤد۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ (البقرہ: ۱۱۰)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

نیز قرآن وسنت میں اس کے زبردست دینی اور دنیاوی فوائد بتا کر طرح طرح سے ترغیب دی گئی ہے، قرآن میں زکوٰۃ کا عظیم اجر وثواب ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۶۱)

"جو لوگ اپنے اموال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے ایک دانہ بویا جائے۔ اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے وہ فراخ دست اور علیم ہے۔"

کسان اپنی جھولی کے دانے خدا کی زمین کے حوالے کر کے اُس سے آس لگاتا ہے اور باران رحمت کے لیے دعائیں کرتا ہے تو پروردگار اس کو ایک ایک دانے کے بدلے سینکڑوں دانے عطا فرما کر اس کا کھلیان بھر دیتا ہے، اس ایمان افروز تجربہ کو تمثیل بنا کر خدا یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ بندہ خدا کی خوشنودی کے لیے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرے گا۔ خدا اس کو اتنا بڑھائے گا کہ ایک ایک دانے کے عوض سات سو دانے عنایت فرمائے گا، بلکہ وہ تو بڑا ہی فراخ دست اور علیم ہے اس کی نگاہ قدر شناس بندے کے گہرے خلوص اور جذبے پر مبنی ہے اور وہ اتنا کچھ عطا فرماتا ہے، جس کا

بندہ صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا، پھر یہ انعام واکرام آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی خدا ایسی سوسائٹی کو خیر و برکت، خوش حالی اور ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم: ۳۹)

"اور جو زکوٰۃ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔"

دراصل زکوٰۃ و صدقہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو عالی ظرف، فراخ حوصلہ، فیاض، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور زکوٰۃ و صدقہ ہی ان صفات کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کا بھی ذریعہ ہے، دنیا میں خیر و برکت، سکون و اطمینان، خوشحالی اور ترقی اسی معاشرہ کا حصہ ہے جس کے افراد میں یہ اخلاقی اوصاف عام ہوں، دولت چند خود غرض، سنگ دل بخیلوں میں سمٹی ہوئی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے میں اس کی مناسب تقسیم ہو، اور سب کو اپنی ہمت کے مطابق کمانے اور خرچ کرنے کی آزادی اور مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے، اللہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کی پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کی برابر ہو جاتا ہے۔" [1]

---

[1] صحیح بخاری۔

"اور آپ ہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص محض اللہ کے لیے خاکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اونچا اٹھا دیتا ہے۔" [1]

قرآن کی صراحت ہے کہ قلوب کو پاک کرنے، نیکیوں کی راہ پر بڑھنے، حکمت کی دولت سے مالامال ہونے، خدا کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت حاصل کرنے، آخرت میں ابدی سکون اور خدا کا قرب پانے والے وہی لوگ ہیں جو خوش دلی اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا۔

(التوبہ: ۱۰۳)

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کیجیے اور نیکی کی راہ میں انہیں آگے بڑھائیے۔"

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۝ (البقرہ: ۲۶۸، ۲۶۹)

"شیطان تمہیں فقر اور ناداری سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ

---

[1] صحیح مسلم۔

بڑا ہی فراخ دست اور علم والا ہے، جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی درحقیقت اس کو بہت بڑی دولت مل گئی۔"

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(التوبہ : ۹۹)

"اور وہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسے خدا کا تقرب حاصل کرنے اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں، سن رکھو! یہ ضرور ان کے لیے خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اور خدا ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔"

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ (لیل : ۱۷، ۱۸)

"اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دور رکھا جائے گا جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے جو دوسروں کو محض اس لیے اپنا مال دیتا ہے کہ (اس کا دل بخل وحرص اور حب دنیا سے) پاک ہو جائے۔"

حضرت عدی بن حاتم رضؓ کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

"لوگو! جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی"[۱]

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[۱] صحیح بخاری۔

"قیامت کے روز جب عرش الٰہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے زیر سایہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو اس قدر رازداری کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔" [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوتا تو آپ انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے اور لانے والے کے لیے رحمت کی دعا مانگتے۔ چنانچہ حضرت ابو اوفیٰؓ اپنا صدقہ لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ [2]

"یعنی اے اللہ! ابی اوفیٰ کے خاندان پر اپنی رحمت نازل فرما۔"

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے ہی گھر میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے۔ صحابہ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔

"سونے کی ایک ڈلی گھر میں رہ گئی تھی، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات آجائے اور وہ گھر ہی میں رہے اس لیے میں اس کو مستحقین میں تقسیم کر آیا۔" [3]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری۔

[2] صحیح بخاری۔

[3] صحیح بخاری۔

"صدقہ اور خیرات کرنے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بُری موت سے آدمی محفوظ رہتا ہے"
اور ظاہر ہے خدا کے غضب سے حفاظت اور خاتمہ بالخیر کے سوا مومن کا منتہائے آرزو کیا ہو سکتا ہے!

زکوٰۃ کا حکم

ہر صاحب نصاب خوش حال مسلمان پر قطعی فرض ہے کہ اگر اس کے پاس بقدر نصاب مال سال بھر تک موجود رہے تو سال پورا ہونے پر وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ زکوٰۃ فرض قطعی ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص فرض ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن ادا نہ کرے تو وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق

زکوٰۃ اس طرح کا کوئی ٹیکس نہیں ہے جو حکومتیں اپنی پبلک پر مقرر کرتی ہیں بلکہ یہ ایک مالی عبادت اور رکن اسلام ہے، جس طرح نماز، روزہ اور حج، اسلام کے رکن ہیں، قرآن نے نماز کے ساتھ ساتھ بالعموم زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے، اور اسے اس خدائی دین کا اہم رکن قرار دیا ہے جو ہر زمانے میں انبیاء کرام ؑ کا دین رہا ہے۔

زکوٰۃ کے نظام سے نفس انسانی اور اسلامی سوسائٹی کو جو عظیم اخلاقی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اسی صورت میں ممکن ہیں جب عبادت اور ٹیکس کے بنیادی فرق کو ذہن میں رکھا جائے، اور زکوٰۃ کو خدا کی عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے۔

بے شک زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا نظم شریعت نے اسلامی حکومت کے سپرد کیا ہے، اور یہ نظم کے فرائض میں سے ہے لیکن اس لیے نہیں کہ یہ کوئی ٹیکس

ہے بلکہ اسلام کے تمام اجتماعی عبادات میں نظم پیدا کرنا اسلامی حکومت
کا فریضہ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سات شرطیں[1] ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مالک نصاب ہونا۔

(۳) نصاب کا ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا۔

(۴) مقروض نہ ہونا۔

---

[1] علماء اہل حدیث کے نزدیک صرف پہلی پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، ان کے نزدیک، عاقل، بالغ ہونا، وجوب زکوٰۃ کے لیے ضروری نہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حکم "وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ" "اور زکوٰۃ ادا کرو" ہر مسلمان مرد اور عورت کیلئے عام ہے نیز خدا کا ارشاد ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔

"اے نبیؐ! ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو پاک کیجیے اور ان کا تزکیہ کیجیے"

تطہیر اور تزکیہ ہر مسلمان کی ضرورت ہے، لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر زکوٰۃ فرض ہے چاہے وہ عاقل و بالغ ہو یا نہ ہو، علماء اہل حدیث کے علاوہ بعض دوسرے علماء بھی بعد کی دو شرطوں کو تسلیم نہیں کرتے یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے عقل و بلوغ کو شرط قرار نہیں دیتے۔

(۵) مال پر پورا سال گزرنا۔
(۶) عاقل ہونا۔
(۷) بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیل اور حاصل بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) مسلمان ہونا۔ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرے۔ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے کے ایام کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

(۲) مالکِ نصاب ہونا:۔ یعنی اتنے مال و متاع کا مالک ہونا جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔

(۳) بقدرِ نصاب ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا۔ ضرورت اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں، جن پر آدمی کی حیات اور عزت و آبرو کا دارومدار ہو، جیسے کھانا پینا، لباس، رہنے کا مکان، پیشہ ور آدمی کے اوزار اور مشین وغیرہ، سواری کا گھوڑا، سائیکل، موٹر وغیرہ، گھرداری کا سامان، کتابیں جو مطالعے کے لیے ہوں، کاروبار کی غرض سے نہ ہوں یہ ساری ہی چیزیں ضرورتِ اصلیہ میں شمار ہوں گی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ہاں ان سے زائد مال نصاب کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ دوسری شرطیں بھی موجود ہوں۔

(۴) مقروض نہ ہونا:۔ کسی شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال و متاع تو ہے لیکن اس پر دوسروں کا قرضہ بھی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر مال اتنا ہو کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی مال بقدرِ نصاب بچ جائے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ

واجب ہو جائے گی۔

(۵) مال پر پورا سال گزرنا:۔ بقدرِ نصاب مال و متاع ہو جانے ہی سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر پورا ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"کسی شخص کو کسی بھی ذریعے سے مال حاصل ہو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب اس پر پورا سال گزر جائے۔" [۱]

(۶) عاقل ہونا:۔ جو شخص عقل اور سمجھ سے محروم دیوانہ اور مجنون ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۷) بالغ ہونا:۔ نابالغ بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے چاہے اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ اس کے ولی پر۔ [۲]

---

[۱] جامع ترمذی۔

[۲] نابالغ اور فاترالعقل کی زکوٰۃ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ مودودی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"نابالغ بچوں کے بارے میں اختلاف ہے ایک مسلک یہ ہے کہ یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے سِن رشد کو پہنچنے پر اس کا ولی اس کا مال اس کے حوالے کرتے وقت اس کو زکوٰۃ کی تفصیل بتا دے پھر یہ اس کا اپنا کام ہے کہ اپنے ایام یتیمی کی پوری زکوٰۃ ادا کرے تیسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کا مال اگر کسی کاروبار میں لگایا گیا ہے اور نفع دے رہا ہے تو اس کا ولی اس کی زکوٰۃ

(باقی بر صفحہ ۶۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ) زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں، چوتھا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے، ہمارے نزدیک یہی چوتھا مسلک زیادہ صحیح ہے، حدیث میں آیا ہے۔

اَلَا مَنْ وَلِیَ یَتِیْمًا لَہٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ لَہٗ فِیْہِ وَلَا یَتْرُکْہُ فَتَاکُلَہُ الصَّدَقَۃُ ——— (ترمذی، دارقطنی، بیہقی، کتاب الاموال لابی عبید)

"خبردار! جو شخص کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جو مال رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اس کے مال سے کوئی کاروبار کرے اور اسے یونہی نہ رکھ چھوڑے کہ اس کا سارا مال زکوٰۃ کھا جائے۔"

اس کے ہم معنیٰ ایک حدیث امام شافعیؒ نے مرسلاً اور ایک دوسری حدیث طبرانی اور ابو عبید سے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کی تائید صحابہؓ تابعین کے متعدد آثار و اقوال سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مجاہد، عطاء، حسن بن یزید، مالک بن انس اور زہری سے منقول ہیں۔

فاتر العقل لوگوں کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس میں بھی ہمارے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا مجنون کے ولی کے ذمے ہے امام مالکؒ اور ابن شہاب زہری نے اسی رائے کی تصریح کی ہے۔

(رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۱۳۰-۱۳۱)

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرطیں

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں۔ یہ چھ شرطیں موجود ہوں تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ ادا نہ ہوگی۔

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا۔

(۳) مالک بنانا۔

(۴) مقررہ مدوں میں صرف کرنا۔

(۵) عاقل ہونا۔

(۶) بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیں اور فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) **مسلمان ہونا:**۔ زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مسلمان ہو، چونکہ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر کوئی غیر مسلم زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا اسلام لانے سے پہلے اگر کسی نے آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا تو اسلام لانے سے پہلے کی ادا کی ہوئی زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) **زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا:**۔ زکوٰۃ نکالتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیت کرنا ضروری ہے اگر زکوٰۃ نکالتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال مستحق کے پاس موجود ہو۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرتے وقت، زکوٰۃ لینے والے کو اس کا مالک بنانا۔ چاہے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنائے یا زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کرنے والے ادارے کو مالک بنائے۔

(۴) مقررہ مدوں میں صرف کرنا۔ زکوٰۃ صرف کرنے کی مدیں قرآن نے بیان کر دی ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسری مد میں اگر زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۵) عاقل ہونا، دیوانہ، مجنون اور فاترالعقل شخص زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۶) بالغ ہونا۔ نابالغ بچہ زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل

(۱) جو رقم ضرورت اصلیہ کے لیے محفوظ رکھی گئی ہو، اگر یہ ضرورت اسی سال درپیش ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر یہ ضرورت آئندہ کبھی پیش آنے والی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۱]

(۲) جس مال میں کوئی دوسرا حق عشر، خراج وغیرہ واجب ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک مال پر دو حق واجب نہیں ہوتے۔[۲]

(۳) جو چیزیں کسی نے کسی کے پاس رہن کر دی ہوں ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں

---

[۱] علم الفقہ چہارم۔

[۲] علم الفقہ چہارم۔

ہے نہ رہن کرنے والے پر اور نہ رہن رکھنے والے پر۔[1]

(۴) کسی کا کوئی مال گم ہوگیا یا رقم کھو گئی پھر ایک مدت کے بعد خدا کے فضل سے وہ مال مل گیا، اور کھوئی ہوئی رقم دستیاب ہوگئی تو اس مدت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جس مدت میں مال کھویا ہوا تھا۔[2]

(۵) کسی کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال موجود تھا درمیان میں کچھ مدت کے لیے مال کم ہوگیا یا بالکل ہی نہیں رہا لیکن سال کے آخر میں پھر خدا کے فضل سے نصاب کے بقدر ہوگیا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی درمیان میں مال کم ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔[3]

(۶) گرفتار ہونے والے شخص کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جو شخص بھی اس کے پیچھے اس کے کاروبار یا اس کے مال کا متولی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔[4]

(۷) مسافر کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ صاحب نصاب ہو، بلاشبہ مسافر ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا بھی مستحق ہے، لیکن چونکہ وہ غنی اور صاحب نصاب بھی ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، اس کا سفر اسے زکوٰۃ کا مستحق بناتا ہے اور اس کا مال دار ہونا اس پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے۔[5]

---

[1] علم الفقہ چہارم۔

[2] اس لیے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مال کا اپنے قبضہ اور اپنے ملک میں ہونا ضروری ہے۔

[3] علم الفقہ۔

[4] رسائل و مسائل حصہ دوم

[5] بہشتی زیور حصہ سوم۔

(۸) کسی نے کسی کو کوئی عطیہ دیا اگر وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔[۱]

(۹) گھر کا ساز و سامان، جیسے تانبے، پیتل، المونیم اور اسٹیل وغیرہ کے برتن، پہننے اوڑھنے کے کپڑے، دری، فرش، فرنیچر وغیرہ سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات کے زیور، سچے موتیوں کے ہار وغیرہ چاہے کتنے ہی قیمتی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔[۲]

(۱۰) کسی تقریب میں خرچ کرنے کے لیے کسی نے اچھی مقدار میں غلہ وغیرہ خرید لیا۔ پھر نفع کی خاطر اس کو فروخت کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی زکوٰۃ صرف اُسی مال پر واجب ہو گی جو کاروبار کے ارادے سے خریدا ہو۔[۳]

(۱۱) کسی کے پاس ہزار روپے تھے، سال پورا ہونے پر اس میں سے پانچ سو روپے ضائع ہو گئے اور باقی رقم اس شخص نے خیرات کر دی تو صرف ضائع شدہ رقم کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ خیرات کردہ رقم کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔[۴]

(۱۲) زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کسی کا مال و متاع ضائع ہو گیا۔ تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔[۵]

---

[۱] بہشتی زیور حصہ سوم۔

[۲] بہشتی زیور حصہ سوم۔

[۳] بہشتی زیور حصہ سوم۔

[۴] بہشتی زیور حصہ سوم

[۵] بہشتی زیور حصہ سوم

(۱۳) کسی کاروبار میں چند افراد شریک ہوں، اور سب کی رقم لگی ہوئی ہو اگر ہر شریک کا الگ الگ حصّہ نصاب سے کم ہو تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی چاہے ان سب کے حصوں کا مجموعہ بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو۔ ؎

(۱۴) کسی شخص نے رمضان میں (۲۰۰۰/-) دو ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اور یہ دو ہزار اس کے پاس محفوظ ہیں اب رجب کے مہینے میں اللہ کے فضل سے (۲۰۰۰/-) دو ہزار اس کو مزید مل گئے۔ تو اب سال پورا ہونے پر وہ (۴۰۰۰/-) چار ہزار کی زکوٰۃ ادا کرے۔ یہ نہ سوچے کہ (۲۰۰۰/-) جو رجب میں ملے ہیں ان پر تو سال نہیں گزرا ہے، سال کے دوران جو رقم یا مال بھی بڑھے، چاہے کاروبار میں نفع کے ذریعے بڑھے یا چوپایوں کے بچے ہوجائیں یا کوئی مال عطیہ کردے یا میراث میں مل جائے۔ غرض جس طرح بھی کوئی رقم یا مال ملے، سارے مال ومتاع پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی چاہے بعد میں ملنے والے مال پر ابھی پورا سال نہ گزرا ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل

(۱) زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ مستحق کو دیتے وقت جتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ انعام، یا بچوں کے لیے تحفہ اور عیدی کے طور پر دے دینا

؎ امام شافعی رحہ اس صورت میں مجموعی رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگر کاروبار کی مجموعی رقم بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چاہے الگ الگ ہر شریک کا حصّہ بقدر نصاب نہ ہو۔

بھی جائز ہے صرف یہ کافی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرلے۔

(۲) مزدور کو کسی خدمت کے عوض میں یا ملازم اور خادم کو اجرت میں زکوٰۃ دینا صحیح نہیں۔ البتہ بیت المال کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے پر مقرر ہوں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دی جاسکتی ہیں۔

(۳) سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے۔ اور قسطوار ماہانہ ادا کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہو اور اگر کوئی اس توقع پر پیشگی زکوٰۃ دے رہا ہو، کہ آیندہ وہ صاحبِ نصاب ہونے والا ہے، تو ایسے شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس وقت وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور سال گزر جائے گا، اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ [1]

حضرت علی رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ [2]

(۴) زکوٰۃ میں درمیانی معیار کا مال ادا کرنا چاہیئے نہ تو یہ صحیح ہے کہ زکوٰۃ دینے والا معمولی مال زکوٰۃ میں ادا کرے اور نہ یہ درست ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اچھے سے اچھا مال وصول کرے، دینے والا بھی خدا کی راہ میں اچھا دینے کی کوشش کرے اور لینے والا بھی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

---

[1] بہشتی زیور

[2] ابو داؤد، جامع ترمذی۔

(۵) زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے چاہے وہ چیز ادا کرے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، مثلاً سونا، یا جانور یا اس کی قیمت ادا کرے ہر حال میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ہاں یہ واضح رہے کہ قیمت ادا کرنے کی صورت میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت زکوٰۃ ادا کی جارہی ہے نہ کہ اس وقت کی قیمت جس وقت کہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مثلاً ایک شخص کے یہاں بکریاں پلی ہوئی ہیں، سال گزرنے پر زکوٰۃ میں ایک بکری اس پر واجب ہوگئی جس کی قیمت زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت (-/۵۰) پچاس روپے ہے، کسی وجہ سے اس وقت اس نے زکوٰۃ ادا نہیں چند ماہ بعد ادا کر رہا ہے تو اس وقت بکری کی جو قیمت ہوگی وہی ادا کرنا ہوگی اگر قیمت بڑھ کر (-/۶۰) ساٹھ روپے ہوگئی ہے تو ساٹھ روپے ہی دینا ہوگی اور اگر کم ہو کر چالیس روپے رہ گئی ہے تو چالیس روپے ہی دینا ہوں گے۔

(۶) زکوٰۃ اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہونی چاہیئے۔ اور اسلامی حکومت کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کرے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی شدید ترین غفلت کے باعث محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ایسی صورت میں ان کا فرض ہے کہ اپنے طور پر مسلمانوں کا بیت المال قائم کریں اور اس میں زکوٰۃ جمع کریں۔ اور بیت المال سے ہی زکوٰۃ اس کے متعین مصارف میں صرف کی جائے۔ اور جو اس اجتماعیت سے بھی محروم ہوں تو وہ اپنے طور پر مستحقین کو زکوٰۃ پہنچائیں اور مسلسل علمی اور عملی کوششیں کرتے رہیں کہ اسلامی نظام قائم ہو اس لیے کہ اسلامی نظام کا قیام ملت کا فریضہ بھی ہے، اور اس کے بغیر اسلام کے بہت سے احکام و قوانین پر عمل بھی ممکن نہیں ہے۔

(۷) جو لوگ عارضی طور پر یا مستقل طور پر زکوٰۃ کے مستحق اور محتاج ہوں، مثلاً اپاہج، بیمار، ضعیف، نادار، مسکین، بیوائیں۔ ان کو وقتی طور پر بھی بیت المال سے مدد دی جا سکتی ہے اور مستقل طور پر بھی ان کے گزارے اور وظیفے مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

(۸) بیت المال سے زکوٰۃ منفرد مستحقین کو بھی دی جا سکتی ہے، اور اداروں کو بھی دی جا سکتی ہے اور خود بھی ایسے ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں جو مصارف زکوٰۃ سے متعلق ہوں مثلاً یتیم خانے، محتاج خانے اور ناداروں کے لیے تعلیمی ادارے اور شفاخانے وغیرہ۔

(۹) حاجت مند لوگوں کو زکوٰۃ کی مد سے قرض حسن دینا جائز ہے بلکہ ناداروں کو اونچا اٹھانے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی غرض سے قرض حسن دینا مستحسن ہے۔

(۱۰) جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ان کو زکوٰۃ دینے کا دوگنا اجر ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ عزیز اور رشتہ دار زکوٰۃ کی رقم لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے یا ضرورت مند ہونے کے باوجود برا مانیں گے اور نہ لیں گے، تو ان کو یہ نہ بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں مستحق کو یہ بتانا شرط نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ کسی تقریب میں تعاون کے طور پر، عیدی کے طور پر یا کسی اور طریقے سے ان کو وہ رقم پہنچا دی جائے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ قمری مہینوں کے حساب سے ادا کی جائے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، شمسی حساب سے بھی زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے قمری حساب سے زکوٰۃ کا وجوب کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ کسی خاص مہینے

میں زکوٰۃ ادا کی جائے۔ البتہ رمضان المبارک چونکہ نیکیوں کی بہار کا مہینہ ہے، اور اس میں ہر عبادت کا اجر بہت زیادہ ہے، اس لیے اس ماہ میں دینا بہتر ہے، لیکن ایسا کرنا واجب نہیں۔ اور نہ یہ ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لیے کوئی شرط ہے۔

(۱۲) عام حالات میں مناسب ہے کہ ایک علاقے کی زکوٰۃ اسی علاقے میں صرف کی جائے، البتہ دوسرے علاقوں میں کوئی شدید ضرورت پیش آجائے، یا زکوٰۃ دینے والے کے عزیز و اقارب دوسری جگہ رہتے ہوں اور وہ حاجتمند ہوں، یا دوسرے مقام پر کوئی ناگہانی ارضی یا سماوی آفت نازل ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے علاقوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم بھیجی جاسکتی ہے، البتہ یہ خیال رہے کہ اپنی بستی اور علاقے کے حاجتمند لوگ محروم نہ رہ جائیں۔

(۱۳) زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو مالک اور قابض بنا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص کھانا پکوا کر مستحقین کو گھر میں کھلا دے تو یہ زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ ہاں کھانا ان کے حوالے کر کے ان کو اختیار دے دیں کہ وہ خود کھائیں یا کسی کو کھلائیں یا جو چاہیں کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کسی ادارے یا بیت المال کو دے دینے سے بھی مالک بنانے کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ دے دینے سے بھی تملیک کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر بیت المال یا زکوٰۃ وصول کرنے والا ادارہ ذمہ دار ہے، زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اب مستحقین کو پھر مالک بنائے۔

(۱۴) اگر کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار، دوست، یا کسی کی طرف سے بھی بطور خود زکوٰۃ ادا کر دے، تو اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی کے زیور

وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کر دے تو بیوی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ کے مقرر کیے ہوئے محصل حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ نہیں دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے بلکہ اس سے زیادہ، عمر! تم سمجھتے نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے لیے باپ کے برابر ہے" [1]

حنفی علماء کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے تملیک ایک لازمی شرط ہے، دوسرے کو مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس مسئلہ پر علامہ مودودی صاحب نے ایک اہم وضاحتی نوٹ لکھا ہے، جو مسئلہ تملیک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے انتہائی مفید ہے۔ ذیل میں یہ بصیرت افروز نوٹ درج کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ...... الخ (التوبۃ : ۶۰)

"صدقات تو فقراء کے لیے ہیں اور مساکین کے لیے، اور ان لوگوں کے لیے جو ان پر کام کرنے والے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مقصود ہو...... الخ۔

دیکھیے یہاں لام کا عمل صرف فقراء ہی پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ مساکین، عاملین علیہا اور مؤلفۃ قلوبہم پر بھی ہو رہا ہے یہ لام تملیک کے لیے ہے تو اور استحقاق یا اختصاص یا کسی اور معنے کے لیے ہے تو، بہر صورت جس معنی میں بھی یہ فقراء سے متعلق ہو گا اسی معنی میں باقی تینوں سے بھی متعلق ہو گا۔ اب اگر حنفی تاویل کے لحاظ سے وہ تملیک کا مقتضی ہے تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مال ان چاروں میں سے جس کے حوالے بھی کر دیا جائے گا،

تملیک کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ آگے تملیک در تملیک کا حکم کہاں سے نکالا جاتا ہے؟
کیا فقیر یا مسکین کی ملک میں زکوٰۃ کا مال پہنچ جانے کے بعد اس کے تصرفات پر
کوئی پابندی ہے؟ اگر نہیں تو "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کے ہاتھ میں پہنچ جانے کے بعد
جب کہ لام تملیک کا تقاضا پورا ہو چکا۔ پھر مزید تملیک کی پابندی لگانے کی کیا دلیل
ہے؟ لام کو اگر تملیک ہی کے معنی میں لیا جائے۔ تو ایک شخص جب زکوٰۃ و صدقات
واجبہ کے اموال "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کے سپرد کر دیتا ہے تو گویا وہ انہیں اس کا مالک بنا
دیتا ہے، اور یہ اسی طرح ان کی ملک بن جاتے ہیں، جس طرح فے اور غنیمت کے اموال
حکومت کی ملک بن جاتے ہیں، پھر ان پر یہ لازم نہیں رہتا کہ وہ ان اموال کو آگے
جن مستحقین پر بھی صرف کریں، بصورت تملیک ہی کریں، بلکہ انہیں یہ حق حاصل ہے،
کہ باقی ماندہ سات مصارف زکوٰۃ میں اس کو جس طرح مناسب اور ضروری سمجھیں صرف
کریں، لام تملیک کی رو سے ان پر کوئی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ البتہ جو قید لگائی جا
سکتی ہے، وہ صرف یہ کہ جو شخص بھی زکوٰۃ کی تحصیل و صرف کے سلسلے میں کوئی عمل
کرے وہ بس اس عمل کی اجرت لے۔ باقی مال اُسے دوسرے مستحقین زکوٰۃ پر صرف
کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ لوگ "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" ہونے کی حیثیت سے ان اموال
کے مالک بنائے جاتے ہیں نہ کہ بجائے خود مستحق ہونے کی حیثیت سے "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا"
کا لفظ خود اس وجہ کو ظاہر کر دیتا ہے، جس کے لیے زکوٰۃ ان کے حوالے کی جاتی
ہے، اور پھر یہی لفظ یہ بھی طے کر دیتا ہے کہ وہ عامل ہونے کی حیثیت سے اس مال
کا کتنا حصہ جائز طور پر اپنے ذاتی تصرف میں لانے کا حق رکھتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد اس حدیث پر نگاہ ڈالیے جو امام احمدؒ نے حضرت انسؓ

ابن مالکؓ سے روایت کی ہے۔ اس میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ

اذا ادیت الزکوٰۃ الی رسولک فقد برئت منہا الی اللہ ورسولہ۔

"جب میں نے آپ کے بھیجے ہوئے عامل کو زکوٰۃ ادا کر دی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنے فرض سے بری الذمہ ہوگیا نا؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

نعم اذا ادیتہا الی رسولی فقد برئت منہا الی اللہ ورسولہ فلک اجرہا، واثمہا علی من بدلہا۔

"ہاں جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے فرض سے بری الذمہ ہوگیا۔ اس کا اجر تیرے لیے ہے اور جو اس میں ناجائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے۔"

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر لام تملیک کا تقاضا جس طرح کسی فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ دے دینے سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کو دے دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے! ....

اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کے الفاظ جو قرآن میں ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے لوگ اسے صرف ان کارندوں تک محدود سمجھتے ہیں جن کو حکومت اسلامی اس کام کے لیے مقرر کرے لیکن قرآن پاک

کے الفاظ عام ہیں جن کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جو زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں "عمل" کرے اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے، اگر حکومت اسلامی موجود نہ ہو یا ہو مگر اس فرض سے غافل ہو اور مسلمانوں میں کوئی گروہ یہ "عمل" کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو آخر کس دلیل سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہیں تم "عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" نہیں ہو؟ میرے نزدیک تو یہ اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے کہ اس نے عاملین حکومت کے لیے خاص کرنے کے بجائے اپنا حکم ایسے عام الفاظ میں دیا ہے جن میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر موجودگی، یا غافل حکمرانوں کی موجودگی میں مسلمان بطور خود بھی زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے لیے مختلف انتظامات کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس عام حکم کو عام ہی رہنے دیا جائے تو غریب طلبار کی تعلیم، یتیموں کی پرورش، بوڑھوں اور معذوروں اور اپاہجوں کی نگہداشت، نادار مریضوں کے علاج اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لیے جو ادارے قائم ہوں ان سب کے منتظمین بالکل بجا طور پر "عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" کی تعریف میں آئیں گے اور ان کو زکوٰۃ لینے اور حسب ضرورت صرف کرنے کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایسے ادارے قائم کرنے کی بھی گنجائش نکل آئے گی جو خاص طور پر تحصیل و صرف زکوٰۃ ہی کے لیے قائم ہوں، ان کے منتظمین بھی "عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" قرار پائیں گے اور صرف زکوٰۃ کے معاملے میں ان کے ہاتھ بھی تملیک کے فتوے سے باندھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

میرے نزدیک اگر قرآن کے الفاظ کی عمومیت نگاہ میں رکھی جائے تو صرف مذکورہ بالا عاملین ہی پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے بہت سے کارکن بھی اس تعریف

میں آتے ہیں۔ مثلاً۔

ایک یتیم کا ولی، ایک بیمار یا اپاہج کی خبر گیری کرنے والا۔ اور ایک بے کس بوڑھے کا نگہبان بھی "عامل" ہے اسے زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کا حق ہے اور اس میں سے معروف طریقے پر اپنے عمل کی اجرت بھی وہ چاہے تو لے سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے ڈاک خانے یا بنک کی اجرت دی جا سکتی ہے کیونکہ اس خدمت کو انجام دینے کی حد تک وہ بھی "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" ہوں گے۔

زکوٰۃ وصول کرنے زکوٰۃ کے اموال ایک جگہ سے دوسری جگہ حسب ضرورت لے جانے یا مستحقین زکوٰۃ کی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لیے ریل، بس، ٹرک، ٹانگے، ٹھیلے وغیرہ جو استعمال کیے جائیں ان کے کرائے مال زکوٰۃ سے دیئے جا سکتے ہیں کیونکہ یہ خدمت انجام دیتے وقت یہ سب "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" میں ہی شمار ہوں گے۔

مستحقین زکوٰۃ کی خدمت کے لیے جس قدر بھی ملازم اور مزدور استعمال کیے جائیں گے۔ ان سب کی تنخواہیں اور اجریں زکوٰۃ کی مد سے دی جا سکتی ہیں کیونکہ وہ "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" میں داخل ہوں گے۔ قطع نظر اس سے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن پر زکوٰۃ کے غلے کی بوریاں ڈھوئے یا کوئی غریب مریضوں کی خدمت کے لیے گاڑی چلائے۔ یا کوئی یتیم بچوں کی نگہداشت کرے۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ آیا "عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا" کے تصرفات پر کوئی ایسی

پابندی ہے کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کی خدمت کے لیے عمارات نہ بنوا سکیں اور اشیائے ضرورت مثلاً گاڑیاں، دوائیں، آلات، کپڑے وغیرہ نہ خرید سکیں؟ ۔میں کہتا ہوں حنفی تاویل آیت کے لحاظ سے یہ پابندی صرف زکوٰۃ ادا کرنے والے پر عائد ہوتی ہے وہ خود بلاشبہ ان تصرفات میں سے کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رو سے زکوٰۃ "جن کے لیے" ہے ان کی یا ان میں سے کسی ملک میں دے دے، رہے "عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" تو ان پر اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ وہ تمام مستحقین زکوٰۃ کے لیے بمنزلہ ولی یا وکیل ہیں، اور اصل مستحق اس مال میں جتنے تصرفات کرسکتا ہے وہ سب تصرفات اس کے ولی یا وکیل ہونے کی حیثیت سے یہ بھی کرسکتے ہیں وہ جب فقراء اور مساکین کی ضروریات کے لیے کوئی عمارت بنائیں یا کوئی گاڑی خریدیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بہت سے فقیروں اور مسکینوں نے، جن کو فرداً فرداً زکوٰۃ ملی تھی باہم مل کر ایک عمارت بنوالی یا ایک سواری خرید لی۔ جس طرح ان کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں ہے "عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا" کو زکوٰۃ دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مقرر کیا ہے اور اللہ کے رسول نے اسی لیے ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ دے دینے والے کو فرض سے سبکدوش قرار دیا ہے کہ انہیں یہ مال دے دینا گویا تمام مستحقین کو دے دینا ہے وہ انہی کی طرف سے اسے وصول کرتے ہیں اور انہی کے نائب و سرپرست بن کر اسے صرف کرتے ہیں آپ ان کے تصرفات پر اس حیثیت سے ضرور اعتراض کرسکتے ہیں کہ تم نے فلاں خرچ بلاضرورت کیا یا فلاں چیز پر ضرورت سے زیادہ خرچ کردیا یا اپنے عمل کی اجرت معقول حد سے زیادہ لے لی یا کسی عامل کو معقول شرح سے زیادہ اجرت دے دی، لیکن کوئی قاعدہ

شرعی میرے علم میں ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ان کو اس بات کا پابند کیا جا سکے کہ فلاں فلاں قسم کے تصرفات تم کر سکتے ہو اور فلاں فلاں قسم کے نہیں کر سکتے۔ قواعد شریعت انہیں ہر اس کام کی اجازت دیتے ہیں جس کی مستحقین زکوٰۃ کے لیے ضرورت ہو۔

(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۴ء)

نصابِ زکوٰۃ سے مراد سرمائے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب کی ہے، اور جس شخص کے پاس بقدر نصاب سرمایہ ہو اس کو صاحب نصاب کہتے ہیں۔

معاشی توازن

زکوٰۃ کا ایک بنیادی مقصد معاشی توازن پیدا کرنا بھی ہے، دولت کو گردش میں رکھنے اور سوسائٹی کے ہر طبقے کو مستفید کرنے کے لیے زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں میں تقسیم کی جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے دولت مندوں سے لیا جائے گا اور ان کے ناداروں کو لوٹایا جائے گا۔"[۱]

شریعت کی نظر میں دولت مند اور خوش حال لوگ وہ ہیں، جن کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اور سال گزرنے کے بعد بھی موجود رہے دور نبوت میں وہ لوگ خوش حال اور دولتمند تھے، جن کے پاس کھجور کے باغ ہوں اور چاندی سونا ہو یا مویشی ہوں اور شریعت نے ان

---

[۱] متفق علیہ۔

چیزوں میں ایک خاص مقدار متعین فرما کر بتا دیا کہ کم از کم اتنی مقدار جس کے پاس ہو وہ شریعت کی نظر میں خوش حال ہے اور اس کے مال میں سے صدقہ وصول کر کے سوسائٹی کے ناداروں کو دیا جائے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے"[3]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس دور میں پانچ وسق یعنی ۲۰ من کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لیے کافی ہو جاتی تھیں اور یہی قیمت اور حیثیت پانچ اوقیہ چاندی یعنی دو سو درہم اور پانچ اونٹوں کی تھی، اس لیے اس مقدار کے مالک کو شریعت نے خوش حال اور دولت مند قرار دے کر اس پر زکوٰۃ واجب کر دی۔

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

دور حاضر میں چونکہ روپے کی قیمت غیر معمولی حد تک کم ہو گئی ہے اور پھر چاندی سونے

---

[1] دیکھیے اصطلاحات صفحہ ۲۰۶۔

[2] بخاری، مسلم۔

[3] مولانا منظور احمد صاحب نعمانی لکھتے ہیں: "حضرت علماء کرام کے لیے یہ بات قابل غور ہے کہ اب جب کہ روپے کی قیمت اور حیثیت زمانۂ نبوت کے درہم کے مقابلے میں بہت کم ہو گئی ہے بلکہ ہمارے ہی ملک میں اب سے پچیس سال پہلے روپے کی جو قیمت اور مالیت تھی اب اس کا بھی آٹھواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم رہ گئی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کیا ہوگا۔ (معارف الحدیث جلد چہارم صفحہ ۳۰۶)۔

اور مویشی کا جو نصاب دورِ نبوت میں مقرر کیا گیا تھا، ان میں بھی قیمت کے لحاظ سے باہم غیر معمولی تفاوت ہے۔ اس لیے بعض ذہن یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نصاب زکوٰۃ پر حالات کے پیشِ نظر علماء غور کریں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی لکھتے ہیں۔

"خلفائے راشدین کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے نصاب اور شرح زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، نہ اب اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی آپ کی مقرر کردہ مقادیر میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے...... البتہ سونے کے نصاب میں تبدیلی ممکن ہے کیونکہ اس کا نصاب بیس مثقال جس روایت میں آیا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے" (رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۱۴۴ - ۱۴۵)۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں، نصاب اور شرح زکوٰۃ میں تبدیلی نہ کرنے کی حکمتوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شارع کے مقرر کردہ حدود اور مقادیر میں ردوبدل کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں یہ دروازہ اگر کھل جائے تو پھر ایک زکوٰۃ ہی کے نصاب اور شرح پر زد نہیں پڑتی بلکہ نماز، روزہ، حج، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ترمیم و تنسیخ شروع ہو جائے گی۔ اور یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو سکے گا۔ نیز یہ کہ اس دروازے کے کھلنے سے وہ توازن و اعتدال ختم ہو جائے گا۔ جو شارع نے فرد اور جماعت کے درمیان انصاف کے لیے قائم کر دیا ہے۔

اس کے بعد پھر افراد اور جماعت کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جائے گی۔ افراد چاہیں گے کہ نصاب اور شرح میں تبدیلی ان کے مفاد کے مطابق ہو اور جماعت چاہے گی کہ اس کے مفاد کے مطابق۔ انتخابات میں یہ چیز ایک مسئلہ بن جائے گی، نصاب گھٹا کر اور شرح بڑھا کر اگر کوئی قانون بنایا گیا تو جن افراد کے مفاد پر اس کی زد پڑے گی وہ اسے خوش دلی کے ساتھ نہ دیں گے جو عبادت کی اصل روح ہے بلکہ ٹیکس کی طرح چٹی سمجھ کر دیں گے اور حیلہ سازی اور گریز (Evasion) دونوں ہی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہ بات جو اب ہے کہ حکم خدا اور رسول سمجھ کر ہر شخص سر جھکا دیتا ہے اور عبادت کے جذبے سے بخوشی رقم نکالتا ہے اس صورت میں کبھی باقی نہیں رہ سکتی جب کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اپنے حسب منشا کوئی نصاب اور کوئی شرح دوسروں پر مسلط کرتی رہے[1] (رسائل و مسائل حصہ دوم ص۱۵۷)۔

سونے اور چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے، جس کا وزن چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی بنتا ہے، جس شخص کے پاس اتنے وزن کی چاندی ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اس سے کم وزن کی چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔[2]

---

[1] مزید وضاحت کے لیے ترجمان القرآن جون ۱۹۴۶ء دیکھیے۔

[2] یہ نصاب مولانا عبد الشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، (علم الفقہ سوم ص۲۶) مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے، اور یہ زیادہ مشہور ہے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۱)

سونے کا نصاب بیس طلائی مثقال ہے جس کا وزن پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے کے برابر ہے[1] جس شخص کے پاس اتنے وزن کا سونا ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہے، اس سے کم وزن کا سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سکوں اور نوٹوں کی زکوٰۃ

حکومت کے سکے چاہے وہ کسی دھات کے ہوں اور کاغذی سکے یعنی نوٹ وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ان کی قیمت ان کی دھات یا ان کے کاغذ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اُس قوت خرید کی بنا پر ہے جو قانوناً ان کے اندر پیدا کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ چاندی اور سونے کے قائم مقام ہیں۔ لہٰذا جس شخص کے پاس چھتیس [۳۶] تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کی قیمت کے نوٹ یا سکے موجود ہوں اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جو سکے رائج نہیں ہیں یا جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لیے ہیں ان میں اگر سونا چاندی کسی مقدار میں موجود ہے تو ان پر چاندی یا سونے کی اس مقدار کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جو اُن میں موجود ہے۔

غیر ممالک کے سکے اگر بآسانی اپنے ملک کے سکوں سے تبدیل کیے جا سکتے ہوں تو ان کا حکم نقدی کا ہے اور اگر تبدیل نہ کیے جا سکتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ صرف

---

[1] یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، (علم الفقہ جلد ۴ ص ۳۷) یہی تحقیق مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی ہے — البتہ عام طور پر سونے کا نصاب (۷½) ساڑھے سات تولے مشہور ہے۔ (بہشتی زیور سوم صفحہ ۲)

اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ ان کے بقدر نصاب سونا یا چاندی موجود ہو، اگر سونا چاندی بالکل نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

درہم کے وزن کی تحقیق

زکوٰۃ کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہے جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے دور میں درہم مختلف وزنوں کے ہوتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ درہم کے اوزان میں اختلاف کے باعث لوگوں میں باہم کشمکش ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے معاملے میں الجھن پیدا ہوتی ہے تو آپ نے ہر ہر وزن کا ایک ایک درہم لیا اور اس کا گلوایا۔ اور پھر اس کے تین وزن درہم وزن بنوائے۔ پھر اس درہم کا وزن کیا گیا تو وہ چودہ قیراط کا بیٹھا پس اس درہم کے وزن پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔ اور سارے عرب میں یہی درہم رائج ہو گیا اور اسی کے مطابق تمام شرعی فرائض مثلاً زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ ادا ہونے لگے۔ (بحر الرائق وغیرہ)

البتہ طہارت اور نجاست کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہوتا ہے جو ایک مثقال یعنی دینار کے برابر ہوتا ہے علامہ ابن عابد شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک دینار سَو جَو کے برابر ہوتا ہے اور چار جَو کی ایک رتّی ہوتی ہے اور آٹھ رتّی کا ماشہ ہوتا ہے اس حساب سے ایک دینار کا وزن تین ماشہ اور ایک رتی قرار پاتا ہے، اسی تحقیق کے مطابق ہم نے آسان فقہ اوّل میں درہم کا وزن ۳ ماشہ اور ایک رتی لکھا ہے۔

اموال تجارت کی زکوٰۃ

مال تجارت ہو، یا نوٹ اور سکے وغیرہ ان سب کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کا نصاب ہے یعنی سونے یا چاندی کے نصاب کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مثلاً آپ کے پاس مبلغ ۔/۴۰۰۰ موجود ہیں، اس رقم میں سونے کا نصاب تو نہیں بنتا لیکن چاندی کا نصاب بن جاتا ہے، تو اسی نصاب کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے۔

اموال تجارت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاروبار شروع کرنے کی تاریخ پر جب ایک سال گزر جائے تو تجارتی مال (Stock in Trade) کی مالیت کا حساب لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ نقد رقم (Cash in hand) کتنا ہے دونوں کے مجموعے پر زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر مال تجارت اور نقد رقم نصاب سے کم ہے اور پھر یکایک قیمتیں بڑھنے سے مال تجارت کی قیمت بقدر نصاب یا اس سے زائد ہوگئی۔ تو جس تاریخ سے قیمتیں بڑھی ہیں اسی تاریخ سے زکوٰۃ کے سال کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر کسی کاروبار میں کئی افراد شریک ہیں، تو کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور کیش رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ ہر شریک کے حصّے اور منافع کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر یہ حصہ اور اس کا منافع بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب ہر شریک کا حصّہ بقدر نصاب ہو مثلاً چالیس بکریاں دو آدمیوں کی شرکت میں ہیں یا ساٹھ تولے چاندی دو افراد کی ملکیت میں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

کاروبار میں کام آنے والے اوزار اور آلات، فرنیچر، اسٹیشنری کا سامان، عمارت یعنی عوامل پیدائش پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی صرف مال تجارت اور کیش[1] رقم کی واقعی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ دیتے وقت ان قرضوں کی رقم بھی محسوب کرنا چاہیے جو کاروبار کے دوران دیئے جاتے رہتے ہیں اور وصول ہوتے رہتے ہیں، حضرت سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے لیے یہ حکم تھا کہ ہم اموال تجارت کی زکوٰۃ نکالا کریں" [2]

زیور کی زکوٰۃ

سونا، چاندی کسی شکل میں بھی ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، چاہے وہ سکے ہوں، ڈلی ہو، تار ہو، گوٹا لچکا ہو، یا کپڑے پر زرکاری کا کام ہو، یا کپڑے کی بنائی میں سونے یا چاندی کا تار شامل ہو یا عورت کے استعمال کا زیور ہو، ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

---

[1] امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور نقد رقم اگر بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ وصول کر لی جائے گی چاہے ہر حصے دار کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔
امام مالکؒ کے نزدیک بھی زکوٰۃ مجموعے سے حاصل کی جائے البتہ ان شرکا کو مستثنیٰ کر دیا جائے گا جو صاحب نصاب نہ ہوں یا جو ایک سال سے کم مدت تک اپنے حصے کے مالک رہے ہوں اور یہی رائے زیادہ مناسب اور قابل عمل ہے۔

[2] ابوداؤد۔

یمن کی ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ہمراہ اس کی لڑکی بھی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو وزنی کنگن تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ خاتون نے کہا، جی نہیں، زکوٰۃ تو نہیں دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ قیامت کے روز خدا اس کی پاداش میں تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے۔ (یہ سن کر) خاتون نے وہ دونوں کنگن اتارے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا یہ اللہ اور رسول کی رضا کے لیے پیش خدمت ہیں۔"[1]

حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں میں کنگن پہنا کرتی تھی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ بھی کنز ہے تو آپؐ نے فرمایا جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور پھر اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔"[2]

زیور کی زکوٰۃ پر علامہ مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں بڑا ہی بصیرت افروز نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں ہم اس نوٹ کو بعینہٖ درج کرتے ہیں۔

"زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کئی مسلک ہیں ایک مسلک یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اسے عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ یہ انس بن مالک سعید بن مسیب، قتادہ اور شعبیؒ کا قول ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ زیور پر زکوٰۃ دے دینا کافی ہے، تیسرا مسلک یہ ہے کہ جو زیور

---

[1] نسائی۔

[2] ابوداؤد۔

عورت ہر وقت پہنے رہتی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جو زیادہ تر رکھا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ ہے۔

ہمارے نزدیک یہی آخری قول صحیح ہے، اول تو جن احادیث میں چاندی سونے پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم بیان ہوا ہے ان کے الفاظ عام ہیں مثلاً یہ کہ

فی الرقہ ربع العشر ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ۔

"چاندی میں ۲½ فی صدی زکوٰۃ ہے اور پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔"

پھر متعدد احادیث و آثار میں تصریح مذکور ہے کہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، چنانچہ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی تھی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔

آپؐ نے پوچھا "تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟"

اُس نے کہا "نہیں"

اس پر آپؐ نے فرمایا:-

ایسرک اللہ ان یسورک اللہ بھما یوم القیٰمۃ سوارین من النار

"کیا تجھے پسند ہے کہ خدا قیامت کے روز تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟"

نیز مؤطا، ابو داؤد اور دار قطنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

مَا اَدَّیْتَ زَکٰوتَہٗ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ۔

"جس زیور کی زکوٰۃ تو نے ادا کر دی وہ کنز نہیں ہے۔"

ابن حزم نے محلّیٰ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو فرمان بھیجا تھا، اس میں یہ ہدایت بھی تھی۔

مُر نساء المسلمین یزکین عن حلیھن۔

"مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ ادا کریں"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ زیور کا کیا حکم ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

اذا بلغ مائتین ففیہ الزکوٰۃ۔

"جب وہ دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے"

اسی مضمون کے اقوال صحابہ میں سے ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عائشہؓ سے تابعین میں سے سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاءؒ، مجاہدؒ، ابن سیرینؒ اور زہری سے اور ائمہ فقہ میں سے سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ سے منقول ہیں۔

(رسائل و مسائل دوم ص ۱۳۲-۱۳۳)

شرح زکوٰۃ

(۱) سونا، چاندی، تجارتی اموال، دھات کے سکے نوٹ، زیور سب پر چالیسواں حصہ یعنی ۲½ فیصد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) سونا، چاندی یا زیور میں چالیسواں حصہ سونا یا چاندی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ سونا چاندی ہی دی جائے اس کی قیمت کا حساب لگا کر نقد رقم بھی دی جا سکتی ہے، کپڑے بھی دیئے جا سکتے ہیں اور دوسری چیزیں بھی دی

جا سکتی ہیں۔ نقدی یا تجارتی مال کی قیمت اگر سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کے بقدر ہو، تو اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

(۳) سونے یا چاندی کا جو نصاب بیان کیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کچھ زیادہ چاندی سونا، یا تجارتی مال ہے تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس نصاب کے پانچویں حصے کے بقدر ہو اس سے کم ہو تو معاف ہے۔ [1]

(۴) اگر کسی زیور، یا ڈلی یا کپڑے میں سونا، چاندی دونوں ملے ہوئے ہیں، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا زیادہ ہے، جو چیز زیادہ ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ سونا زیادہ ہے تو سب کو سونا تصور کیا جائے گا اور سونے کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اگر چاندی زیادہ ہے تو سب کو چاندی تصور کر کے چاندی کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۵) سونے یا چاندی کے زیور وغیرہ میں اگر کسی دوسری دھات کا میل ہو، اور اس کی مقدار سونے یا چاندی سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس عدد کو سونے یا چاندی کا تصور کر کے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر اس میں سونا یا چاندی کم ہے تو صرف اس سونے اور چاندی کا حساب لگایا جائے گا اگر وہ بقدر نصاب ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(۶) ایک شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے ان میں سے جس چیز کا نصاب

---

[1] علم الفقہ جلد ۴ ص ۲۷۔

پورا ہو اس کے ساتھ دوسری جنس کی قیمت کا بھی حساب لگا کر ۲½ فیصد کے حساب سے سب کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۷) اگر کسی کے پاس سونا بھی نصاب سے کم ہے اور چاندی بھی نصاب سے کم ہے تو چاندی کو سونے سے ملا کر یا سونے کو چاندی سے ملا کر جو نصاب بھی پورا ہوتا ہو اس پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے۔ اسی طرح کچھ نقد رقم ہے، کچھ چاندی ہے کچھ تجارتی مال ہے تو سب کو ملا کر اگر چاندی یا سونے کا نصاب پورا ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۸) زیوروں میں جو جواہر اور موتی وغیرہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، ان کا وزن منہا کرنے کے بعد باقی سونے یا چاندی کے وزن پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱) ۔ رہنے بسنے کے مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی مالیت کا ہو۔

(۲) موتی، یاقوت اور دوسرے تمام جواہر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) آب پاشی اور کھیتی باڑی کے لیے جو اونٹ، بیل، بھینسے پالے گئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس معاملے میں اصول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیدائش سے کام لے رہا ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث میں ہے:-

لیس فی الابل العوامل صدقۃ۔

یعنی جن اونٹوں سے کھیتی باڑی میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان کی زکوٰۃ زمین کی پیداوار سے حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح تمام آلات پیدائش پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) کارخانے کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے، نیز کارخانے کی عمارت، کاروبار میں کام آنے والے فرنیچر، اسٹیشنری کے سامان، دکان کی عمارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۵) شیر خانہ (Dairy farm) کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی عوامل کی تعریف میں آتے ہیں، البتہ ڈیری فارم کی مصنوعات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۶) بیش قیمت نادر چیزیں اگر کسی نے یادگار کے طور پر شوقیہ گھر میں رکھ چھوڑی ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو ان پر وہی زکوٰۃ عائد ہوگی جو اموال تجارت پر ہوتی ہے۔

(۷) کسی نے حوض یا تالاب وغیرہ میں شوقیہ مچھلیاں پال رکھی ہیں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو تجارتی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۸) مویشی جو ذاتی ضرورت کے لیے پالے گئے ہوں مثلاً دودھ پینے کے لیے چند گائیں یا بھینسیں پال لی ہیں یا نقل و حمل کے لیے بیل، اونٹ یا سواری کے لیے چند گھوڑے پال لیے ہیں تو ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۹) سواری کے لیے موٹر سائیکل، کار، بس ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۰) مرغی خانہ۔ جو انڈوں کی فروخت کے لیے قائم کیا گیا ہو اس کی مرغیوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ فروخت ہونے والے انڈوں پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہے۔

(۱۱) شوقیہ طور پر جو مرغیاں یا اس قسم کے دوسرے جانور پالے جائیں ان

پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۲) کرایہ پر چلائی جانے والی چیزیں مثلاً سائیکل، رکشا ٹیکسی، بس، ٹرک، فرنیچر، اور کراکری کا سامان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں ان سے حاصل ہونے والا منافع اگر بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ان کی قیمتوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

(۱۳) دکان اور مکان جن سے کرایہ وصول ہوتا ہو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، اور کسی مالیت کے ہوں۔

(۱۴) پہننے کے کپڑے، کوٹ، چادر، کمبل وغیرہ، ٹوپی، جوتے، گھڑی، گھر کا سامان، بستر، گھڑی، پین وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں خواہ یہ چیزیں کتنی ہی بیش قیمت ہوں۔

(۱۵) گدھا، خچر اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ یہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔

(۱۶) وقف کے جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور جو گھوڑے جہاد کے لیے پالے گئے ہوں، اور جو اسلحہ اور سامان جہاد اور خدمت دین کے لیے ہوں اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

جانوروں کی زکوٰۃ

عام میدانوں میں چرنے والے پالتو جانور جو افزائش نسل اور دودھ کے لیے پالے جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں سائمہ کہتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے، جو جانور سواری یا گوشت کے لیے پالے گئے ہوں، جنگلی جانور، مثلاً ہرن، پاڑہ، نیل گائے،

چیتا وغیرہ کی زکوٰۃ نہیں ہاں اگر یہ جنگلی جانور تجارت کے لیے پالے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے، یعنی تجارتی سرمایہ اگر سال کے آغاز اور اختتام پر دو سو درہم یا اس سے زائد ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

جو جانور، جنگلی اور پالتو جانور کے اختلاط سے پیدا ہوں ان میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اختلاط کرنے والے جانوروں میں مادہ پالتو ہو۔ اور نر جنگلی ہو مثلاً بکری اور نر ہرن کے اختلاط سے جو جانور پیدا ہوں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جو سائمہ جانور وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح جو گھوڑے وقف ہوں، یا جہاد کی غرض سے پالے گئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

سائمہ جانور اگر زکوٰۃ کے لیے پالے گئے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے۔

اگر کسی نے افزائش نسل ہی کے لیے سائمہ جانور پالے لیکن دوران سال تجارت کا ارادہ ہوگیا تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی بلکہ جس دن سے اس نے تجارت کا ارادہ کیا ہے اسی دن سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا اور سال پورا ہونے پر تجارتی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بھیڑ بکری کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں بھیڑ، بکری، دُنبہ سب کا ایک ہی حکم ہے، سب کا ایک ہی نصاب اور شرح زکوٰۃ ہے، اگر کسی کے پاس دُنبے بھی ہیں اور بکریاں بھی اور دونوں کا نصاب پورا ہے تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دے اور اگر دونوں کے ملانے سے

نصاب پورا ہوا ہے تو جس کی تعداد زیادہ ہو زکوٰۃ میں وہی جانور دینا ہوگا اور دونوں کی تعداد برابر ہے تو اختیار ہے کہ جو جانور چاہے دے،

نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

چالیس (۴۰) بھیڑ بکریوں میں۔ زکوٰۃ ایک بھیڑ یا بکری۔

اکتالیس (۴۱) سے ایک سو بیس (۱۲۰) تک کچھ واجب نہیں۔

جب ایک سو اکیس (۱۲۱) ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہیں۔

ایک سو بائیس (۱۲۲) سے دو سو (۲۰۰) تک کچھ نہیں۔

جب دو سو (۲۰۰) سے ایک زائد ہو جائے تو تین بھیڑ بکریاں واجب ہوں گی۔ پھر دو سو (۲۰۲) سے تین سو ننانوے (۳۹۹) تک کچھ نہیں۔

چار سو (۴۰۰) پوری ہونے پر چار بھیڑیں یا بکریاں واجب ہوں گی۔

چار سو (۴۰۰) کے بعد (۱۰۰) کی تعداد پوری ہونے پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہو گی سو (۱۰۰) سے کم تعداد پر کچھ نہیں اور سو (۱۰۰) سے زائد تعداد پر بھی کچھ واجب نہیں۔

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں ایک سال یا اس سے زائد کا بچہ دینا چاہیئے۔

گائے بھینس کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی زکوٰۃ عائد کی جو گائے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور دونوں کی شرح زکوٰۃ بھی، کسی کے پاس دونوں قسم کے جانور ہوں تو دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ

واجب ہو جائے گی۔ البتہ زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو، اور اگر گائے اور بھینس دونوں کی تعداد برابر ہو تو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گائے دے یا بھینس دے۔

نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

جو شخص تیس (۳۰) گائے بھینسوں کا مالک ہو جائے اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

تیس (۳۰) گائے بھینسوں میں گائے یا بھینس کا ایک بچہ جو پورے ایک سال کا ہو دینا ہو گا۔

اکتیس (۳۱) سے انتالیس (۳۹) تک کچھ واجب نہیں۔ چالیس (۴۰) گائے بھینسوں میں ایک ایسا بچہ واجب ہے جو پورے دو سال کا ہو۔

اکتالیس (۴۱) سے انسٹھ (۵۹) تک کچھ واجب نہیں۔ ساٹھ گائے بھینسوں میں ایک ایک سال کے دو بچے واجب ہیں۔

ساٹھ سے زائد میں ہر تیس (۳۰) گائے بھینسوں پر ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس (۴۰) گایوں پر دو سال کا بچہ دینا ہو گا۔

مثلاً کسی کے پاس ستّر (۷۰) گائے بھینس ہیں تو ستّر (۷۰) میں دو نصاب ہیں ایک چالیس (۴۰) کا اور دوسرا تیس (۳۰) کا اور اگر اسّی (۸۰) گائیں ہو جائیں تو چالیس، چالیس کے دو نصاب ہو جاتے ہیں لہٰذا دو دو سال کے دو بچے واجب ہوں گے۔ اور اگر نوّے (۹۰) ہو جائیں تو تیس تیس کے تین نصاب ہو جائیں گے۔ جس میں ہر تیس پر ایک سالہ بچے کی شرح سے زکوٰۃ دینا ہو گی۔

اونٹ کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

جو شخص پانچ اونٹوں کا مالک ہو وہ صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

اس سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے۔ اور نو (۹) اونٹوں تک ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

دس اونٹوں پر دو بکریاں دینا ہوں گی اور چودہ اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، اور اُنیس (۱۹) تک یہی زکوٰۃ واجب رہے گی۔

بیس اونٹ ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی اور چوبیس (۲۴) اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پچیس (۲۵) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

چھبیس (۲۶) سے پینتیس (۳۵) اونٹوں تک کچھ واجب نہیں۔

چھتیس (۳۶) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتیس (۳۷) سے پینتالیس (۴۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیالیس (۴۶) میں ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتالیس (۴۷) سے ساٹھ (۶۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکسٹھ (۶۱) اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔

باسٹھ (۶۲) سے پچھتر (۷۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیتر (۷۶) ہونے پر ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

ستتر (۷۷) سے نوے (۹۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکیانوے (۹۱) اونٹ ہو جائیں تو دو ایسی اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

پھر ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں تک یہی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی اس کے بعد پھر وہی حساب دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ پانچ پر ایک بکری اور دس پر دو بکریاں۔

ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک ضروری وضاحت

سونا، چاندی، اور مویشی کی جو زکوٰۃ واجب ہو وہ سونا، چاندی اور جانور کی شکل میں بھی ادا کی جا سکتی ہے اور نقدی کی شکل میں بھی۔

اسی طرح زیور کی زکوٰۃ میں بھی سونا یا چاندی دینا ضروری نہیں۔ بازار کے رائج نرخ سے اس کی قیمت کا حساب کر کے نقدی بھی دی جا سکتی ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زکوٰۃ کی اہمیت وعظمت اور تاکید بیان فرمائی ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے مصارف بھی بیان فرما دیئے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ: ۶۰)

"یہ صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اور گردنوں کو چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے کے لیے ہیں، اور خدا کی راہ میں اور مسافر نوازی میں صرف کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ خدا کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا وبینا ہے۔"

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) فقراء۔

(۲) مساکین۔

(۳) عاملین زکوٰۃ۔

(۴) مؤلفۃ القلوب۔

(۵) رقاب۔

(۶) غارمین۔

(۷) فی سبیل اللہ۔

(۸) ابن السبیل۔

زکوٰۃ کی رقم ان آٹھ مدوں ہی میں صرف کی جا سکتی ہے ان کے سوا کسی اور مد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

"حضرت زیاد بن الحارث الصدائی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے بھی عنایت فرمائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"اللہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پہ چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی، بلکہ خود ہی اس کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کی آٹھ مدیں مقرر فرما دی ہیں۔ تم اگر ان مدوں میں سے کسی مد میں آتے ہو تو میں تمہیں ضرور زکوٰۃ کی مد سے دے دوں گا"

ان مدوں کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) فقیر:۔ فقیر سے مراد ہر وہ عورت اور مرد ہے جو اپنی گزر اوقات کے لیے دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہو، اس میں وہ تمام نادار، محتاج معذور داخل ہیں جو مستقل طور پہ یا عارضی طور پہ مالی تعاون کے مستحق ہوں، معذور،

اپاہج، یتیم بچے، بیوائیں، ضعیف، بے روزگار اور وہ لوگ جو ناگہانی حادثے کا شکار ہوگئے ہوں، زکوٰۃ کی مد سے ان کی وقتی اعانت بھی جائز ہے اور ان کے مستقل وظائف بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) مسکین:۔ اس سے مراد وہ شریف غرباء ہیں جو بے چارے نہایت ہی خستہ حال اور درماندہ ہوں لیکن اپنی عزت نفس اور شرم کی وجہ سے کسی کے آگے دست سوال بھی دراز نہ کرنا چاہتے ہوں، اپنی روزی کمانے کے لیے وہ ہاتھ پیر مارتے ہوں لیکن دوڑ دھوپ کے باوجود انہیں ضرورت بھر نہ ملتا ہو، اور لوگوں پر اپنا حال کھلنے نہ دیتے ہوں۔ حدیث میں مسکین کی تشریح یہ ہے:۔

اَلَّذِیْ لَایَجِدُ غِنًی یُّغْنِیْهِ ولایفطن لَهٗ فَیَتَصَدَّقَ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْئَالُ النَّاسَ۔ (بخاری ومسلم)

”جو نہ اپنی ضرورت بھر مال پاتا ہے نہ (اپنی خودداری کی وجہ سے) پہچانا جاتا ہے کہ لوگ اس کی مالی مدد کریں۔ اور نہ کھڑے ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔“

(۳) عاملین زکوٰۃ:۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور عشر کی تحصیل حفاظت، تقسیم اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہوں وہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کی مد سے دی جاسکتی ہیں۔

(۴) مولفۃ القلوب:۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد میں ان کو ہموار کرنا۔ اور مخالفت کے جوش کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر ہو، یہ کافر بھی ہوسکتے ہیں اور وہ مسلمان بھی جن کا اسلام ان کو اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد کی خدمت پر ابھارنے کے لیے کافی نہ ہو،

یہ لوگ اگر صاحب نصاب بھی ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسلام کے آغاز میں اس طرح کے لوگوں کی تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ میں سے دیا جاتا تھا لیکن، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس طرح کے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا[۱] اور اب یہ مد ہمیشہ

---

[۱] اصل واقعہ یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لیے دوسرے اعیان صحابہ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں مگر جب یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گواہیاں لینے گئے تو انہوں نے فرمان کو پڑھ کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے چاک کر دیا۔ اور ان سے کہا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیف قلب کے لیے تمہیں دیا کرتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس پر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر! لیکن نہ تو حضرت ابوبکرؓ ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب باقی نہ رہا جس کی وجہ سے ابتداءً مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا۔ اس لیے باجماع صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گیا۔

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۰۶)

کے لیے ختم ہوگئی ہے یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے۔ البتہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ مد اب بھی باقی ہے اور حسبِ ضرورت تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے۔ [1]

(۵) غلام کو آزاد کرانا:- یعنی جو غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر چکا ہو کہ اگر میں تمہیں اتنی رقم ادا کر دوں تو تم مجھے آزاد کر دو۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ مکاتب کو آزادی کی قیمت ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ عام غلاموں کو زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر آزاد کرنا جائز نہیں [2]۔ اگر کسی زمانے میں غلام موجود نہ ہوں تو یہ مد ساقط رہے گی۔

---

[1] مولانا مودودی صاحب اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ قیامت تک ساقط ہو جانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیف قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو۔ تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کا اجماع جس امر پر ہوا تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانے میں جو حالات تھے ان میں تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی"

(تفہیم القرآن دوم صـ ۲۰۴)

[2] یہی مسلک امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

(۶) **قرضدار:۔** ایسے لوگ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں، اور اپنی ضروریات سے بچاکر قرض ادا نہ کر پا رہے ہوں۔ خواہ بے روزگار ہوں یا کمانے والے اور ان کے پاس اتنا نہ ہو کہ اگر اپنا قرض چکائیں تو ان کے پاس بقدرِ نصاب باقی رہے اور اس سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، کوئی تاوان یا غیر معمولی جرمانہ دینا پڑا یا کاروبار فیل ہو گیا یا کوئی اور حادثہ پیش آیا اور سارا اثاثہ تباہ ہو گیا۔

(۷) **فی سبیل اللہ:۔** اس سے مراد راہ خدا میں جہاد ہے، جہاد کا لفظ قتال کے مقابلہ میں عام ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو مجاہدین نظام کفر کو مٹا کر نظام اسلامی کو قائم کرنے کے لیے کریں، چاہے وہ قلم و زبان سے ہوں، یا تلوار سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت اور دوڑ دھوپ سے، اس کا دائرہ نہ تو اتنا محدود ہے کہ اس سے مراد محض قتال ہو اور نہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں رفاہ عام کے سارے کام شامل سمجھ لیے جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بالاتفاق اسلاف نے صرف وہی کوششیں مراد لی ہیں جو دین حق کو قائم کرنے اس کی اشاعت و تبلیغ کرنے اور اسلامی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لیے کی جائیں۔ اس جدوجہد میں جو لوگ شریک ہوں ان کے مصارف سفر، ان کی سواری، آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔

نیز اس سے مراد وہ زائرین حرم ہیں جو حج کے ارادے سے روانہ ہوں اور راہ میں کسی حادثہ کا شکار ہو کر مالی تعاون کے محتاج ہوں اور وہ طلبہ بھی مراد ہیں جو دین کا علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور حاجت مند ہوں۔

(۸) ابن السبیل یعنی مسافر:۔ مسافر خواہ اپنے گھر میں خوش حال اور دولت مند ہو، لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مالی مدد کا محتاج ہے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کے چند مسائل

(۱) ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم ان سارے ہی مصارف میں تقسیم کی جائے جو قرآن میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ حسبِ ضرورت اور موقع جن جن مصارف میں جس جس قدر مناسب ہو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو کسی ایک ہی مصرف میں ساری زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔

(۲) زکوٰۃ کے جو مصارف ہیں یہی مصارف عشر اور صدقۂ فطر کے بھی ہیں البتہ نفلی صدقات میں اختیار ہے۔

(۳) بنی ہاشم کے لوگ اگر زکوٰۃ کی وصول یابی اور تقسیم وحفاظت کے کام پر مامور کیے جائیں تو ان کا معاوضہ مدِ زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا ہے۔ البتہ بنی ہاشم کے لوگ معاوضہ لیے بغیر اگر یہ خدمت انجام دینا چاہیں تو انجام دے سکتے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدقات کی تحصیل و تقسیم کا کام ہمیشہ معاوضہ لیے بغیر ہی کیا۔

(۴) عام حالات میں کسی بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے حاجت مندوں اور ناداروں پر صرف کرنا چاہیے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ محروم رہیں اور زکوٰۃ دوسرے مقامات پر بھیج دی جائے۔ ہاں اگر دوسرے مقامات پر ضرورت

شدید ہو، یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو، مثلاً کسی مقام پر زلزلہ آگیا قحط پڑ گیا یا اور کوئی ناگہانی مصیبت آگئی یا کوئی تباہ کن فساد ہو گیا یا دوسرے مقامات پر کچھ دینی ادارے ہیں جو مالی تعاون کے محتاج ہیں یا رشتہ دار رہتے ہیں تو ان صورتوں میں دوسرے مقامات پر زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ اپنی بستی کے حاجت مند بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سات قسم کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۱) ماں باپ کو اوپر تک :۔ یعنی دادا، دادی، نانا، نانی اور پھر ان کے ماں باپ کو اوپر تک۔

(۲) اولاد کو نیچے تک :۔ یعنی، بیٹا، بیٹی، ان کی اولاد، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، اور پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

(۳) اپنے شوہر کو۔

(۴) اپنی بیوی کو۔

ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے معنی بالآخر یہ ہوتے ہیں کہ گویا زکوٰۃ کے مال سے اپنی ہی ذات کو نفع پہنچایا۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اپنے مال سے آدمی ان کا تعاون نہ کرے، بلکہ شریعت کی جانب سے ان کی کفالت اور مالی تعاون ہر مسلمان پہ لازم ہے۔ ان چار رشتوں کے علاوہ باقی سارے رشتہ داروں کو نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۵) صاحب نصاب خوش حال آدمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور نہ کسی فقیر اور نادار کو اتنا دینا جائز ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے۔ ہاں اگر وہ مقروض ہو یا کثیر العیال ہو تو حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ مال دار آدمی کے لیے جائز نہیں سوائے ان پانچ افراد کے۔

(۱) راہِ خدا میں جہاد کرنے والا۔

(۲) صدقہ کی تحصیل وغیرہ کا کام کرنے والا۔

(۳) مقروض۔

(۴) یا وہ شخص جو اپنی دولت سے صدقہ کا مال خرید لے۔

(۵) یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو پھر اس مسکین کو صدقہ ملے اور وہ مسکین اپنے دولتمند پڑوسی کو بطور ہدیہ پیش کر دے۔" [1]

(۶) غیر مسلم کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۷) بنی ہاشم کی اولاد میں تین خاندانوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

★۱ حضرت عباس رضؓ کی اولاد کو۔

★۲ حارث کی اولاد کو۔

★۳ ابو طالب کی اولاد کو۔

سادات بنی فاطمہ اور سادات علوی اس تیسرے خاندان میں داخل ہیں، کیونکہ وہ حضرت علی رضؓ کی اولاد ہیں۔

البتہ آج یہ تحقیق انتہائی دشوار ہے کہ فی الواقع کون بنی ہاشم میں سے ہے اس لیے

---

[1] مؤطا امام مالکؒ۔

بیت المال سے تو ہر حاجت مند کی اعانت ہونی چاہیئے ہاں جس کو اپنے ہاشمی ہونے کا یقین ہو تو زکوٰۃ نہ لے۔

"امام مالکؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"صدقہ کا مال آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہی تو ہے۔" ؎

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

(۱) کسی شخص پر آپ کی کچھ رقم قرض ہے، اور اس کے حالات تنگ ہیں ——— اگر آپ اپنی زکوٰۃ میں وہ رقم اس کو معاف کر دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ قرض کے بقدر اس کو زکوٰۃ میں دے دینے کے بعد وہی رقم آپ اپنے قرض میں اس سے وصول کرلیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۲) گھر میں کام کاج کرنے والے نوکر چاکر، خادم، ماما، دائی، وغیرہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے البتہ خدمت کے معاوضے اور تنخواہ میں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۳) ناداروں کے کپڑے بنانے، سردی کے موسم میں کمبل لحاف بنوا دینے اور شادی وغیرہ کی ضروریات مہیا کر دینے میں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔

(۴) جس خاتون نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہے اگر وہ نادار اور حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہے اور وہ بچہ بھی جوان ہونے کے بعد دودھ پلانے والی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

(۵) ایک شخص کو مستحق سمجھ کر آپ نے زکوٰۃ دے دی پھر بعد میں معلوم ہوا

کہ یہ تو صاحبِ نصاب ہے، یا ہاشمی سیّد ہے۔ یا تاریکی میں دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اپنی والدہ یا اپنی لڑکی تھی، یا اور کوئی ایسا رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ لینے والے کو معلوم ہو کہ میں مستحق نہیں ہوں تو نہ لے اور اگر بعد میں معلوم ہو تو واپس کردے۔

(۶) آپ نے کسی کو حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص غیر مسلم تھا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

(۷) نوٹ، سکے، اموالِ تجارت جو چیز بھی سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کے پاس کچھ نوٹ ہیں۔ اور کچھ مختلف سکے ہیں اور سب ملا کر -/۴۰۰ (چار سو) بنتے ہیں یا اتنی ہی رقم کا مالِ تجارت ہے تو اگرچہ سونے کا نصاب تو پورا نہیں ہوتا لیکن چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو یہ شخص صاحبِ نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ -/۴۰۰ (چار سو روپے) کی رقم ساڑھے چھتیس (۳۶½) تولے چاندی کی قیمت سے زیادہ ہے۔

(۸) کسی شخص کو عطیے میں یا انعام میں کوئی مال ملا اگر وہ بقدرِ نصاب ہے تو سال گزرنے پر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

(۹) بینکوں میں رکھی ہوئی امانتوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۱۰) ایک شخص سال بھر مختلف طریقوں سے صدقہ اور خیرات کرتا رہا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی سال گزرنے پر وہ اس خیرات کیے ہوئے مال کو زکوٰۃ میں محسوب نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ نکالنے کے لیے زکوٰۃ کی

نیت کرنا شرط ہے۔

(۱۱) زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے[۱]۔ اور زکوٰۃ کی مد سے ہی منی آرڈر کی فیس ادا کرنا بھی جائز ہے۔

---

[۱] فتاویٰ دیوبند جلد سوم۔

عُشر کے معنیٰ

عُشر کے لغوی معنیٰ ہیں دسواں حصہ لیکن اصطلاح میں عُشر سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو بعض زمینوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں پیداوار کا بیسواں حصہ۔

عُشر کا شرعی حکم

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ۔ (البقرہ: ۲۶۷)

"ایمان والو! راہِ خدا میں بہتر حصہ خرچ کرو۔ اپنی کمائی میں سے اور اس میں جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (الانعام: ۱۴۱)

"اور اللہ کا حق ادا کرو، جس دن تم اُن کی فصل کاٹو۔"

مفسّرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عُشر ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں عُشر فرض ہے اور حدیث رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"جو زمین بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یا جو خود بخود (دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے) سیراب ہو اس میں عُشر واجب ہے اور جو کنوئیں (وغیرہ) سے پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو اس میں نصف عُشر واجب ہے۔"

عُشر کی شرح

جس کھیت یا باغ کو بارش کا پانی، چشمے، دریا، ندی اور قدرتی نالوں کا پانی سیراب کرتا ہو یا دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر نم اور سیراب رہتی ہو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ عُشر میں نکالنا واجب ہے اور جو کھیت یا باغ آب پاشی کے مصنوعی ذرائع مثلاً ٹیوب ویل، رہٹ وغیرہ سے سیراب کیے جاتے ہوں ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ یعنی نصف عُشر نکالنا واجب ہوتا ہے۔

عُشر خدا کا حق ہے اور یہ کل پیداوار کا واقعی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ ہوتا ہے، لہٰذا غلّہ یا پھل جب قابلِ استعمال ہو جائیں تو پہلے عُشر نکال لیا جائے پھر وہ غلّہ یا پھل استعمال کیے جائیں۔ عُشر نکالے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ورنہ واقعی دسواں یا بیسواں حصہ خدا کی راہ میں نہ جائے گا۔

کن چیزوں میں عُشر واجب ہے

زمین کی ہر پیداوار میں عُشر واجب ہے۔ اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے رکھی جا سکتی ہے مثلاً غلّہ، سرسوں، تِل، مونگ پھلی، گنّا، کھجور، خشک میوے وغیرہ اور اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جا سکتے، مثلاً سبزی، ترکاری، ککڑی، کھیرا

گاجر، مولی، شلجم، تربوز، خربوزہ، لیمو، سنگترہ، امرود، مالٹا، آم، جامن وغیرہ[1]

شہد پر بھی عشر واجب ہے، علمار اہلحدیث بھی شہد میں عشر کے قائل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَدُّوا الْعُشْرَ فِی الْعَسَلِ[2]

"شہد میں عشر ادا کرو"

نیز شہد کی شرح واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

فی کل عشرۃ ازقاقٍ زِقٌّ[3]

"ہر دس مشک شہد میں ایک مشک عشر واجب ہے"

اور حضرت ابو سیادہ رض کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! میرے پاس شہد کی مکھیاں (پلی ہوئی) ہیں تو آپ نے حکم دیا پھر اس کا عشر ادا کرو[4]

---

[1] بعض فقہا کے نزدیک سبزی، ترکاری، پھول پھل وغیرہ جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاتے ان پر عشر واجب نہیں ہے، البتہ کاشتکار اگر انہیں مارکٹ میں فروخت کرتا ہے تو اس پر تجارتی زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ وہ بقدر نصاب ہو یعنی کاروبار کا تجارتی سرمایہ سال کے آغاز اور اختتام پر دو سو درہم یا اس سے زائد ہو۔

[2] بیہقی۔

[3] جامع ترمذی۔

[4] امام مالک اور حضرت سفیان رح کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے، امام شافعی رح کا مشہور قول۔

(باقی بر صفحہ ۱۱۷)

انہی روایات کی بنا پر حنفیہ اہل حدیث، احمد بن حنبل، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ شہد کو محل عشر مانتے ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی اس کے حق میں ہے۔ صحابہ میں سے ابن عمر، اور ابن عباس بھی اسی کے قائل تھے۔

(۱) عشر کل پیداوار کا وصول کیا جائے گا اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے ہل بیل اور سنچائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف ادا کیے جائیں گے مثلاً کسی کھیت میں ؎

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۶) بھی یہی ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں شہد کی زکوٰۃ کے معاملے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

بیہقی میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شہد کا عشر لایا اور درخواست کی کہ سبلہ جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیجئے۔ آپ نے اس جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ پھر جب عمرؓ کا دور خلافت آیا تو سفیان بن وہب نے عمرؓ سے اس بارے میں تحقیق چاہی آپ نے لکھ بھیجا کہ وہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تمہیں بھی دیں تو لے لو اور سبلہ جنگل کی حفاظت کا بندوبست کر دو۔ ورنہ وہ تو مکھی (سے پیدا ہونے والی چیز) آسمانی بارش کے مانند ہے جو چاہے اسے استعمال کرے۔"

مودودی صاحب کی رائے یہ ہے کہ شہد کی پیداوار پر تو زکوٰۃ نہ ہو البتہ اس کی تجارت پر وہی زکوٰۃ عائد ہو جو دوسرے اموال تجارت پر عائد ہوتی ہے۔

کوئنٹل غلہ پیدا ہوا ہے تو پہلے ۲ کوئنٹل غلہ عشر میں ادا کیا جائے پھر باقی ماندہ اٹھارہ کوئنٹل غلے سے کھیتی باڑی کے دوسرے مصارف ادا کیے جائیں گے۔

(۲) پیداوار جس وقت سے قابل استعمال ہو جائے اسی وقت اس پر عشر واجب ہو جاتا ہے، مثلاً چنا، مکئی اور آم وغیرہ پکنے سے پہلے ہی استعمال ہونے لگتے ہیں لہٰذا اسی وقت جتنی پیداوار ہے اس کا عشر نکالنا ہوگا۔ عشر نکالنے سے پہلے اس کو استعمال میں لانا درست نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی کھیتی یا باغ جس میں پھل آچکے ہیں فروخت کر ڈالے تو پکنے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد فروخت کیا ہے تو عشر بیچنے والے کے ذمے ہوگا۔

(۴) زمین میں جو شخص کاشت کر رہا ہے عشر اسی پر واجب ہوگا خواہ وہ کرایہ پر زمین لے کر کاشت کر رہا ہو یا عاریتاً زمین لے کر کاشت کر رہا ہو۔

(۵) اگر دو افراد شرکت میں کھیتی باڑی کر رہے ہوں تو عشر دونوں شرکاء پر ہوگا۔ خواہ بیج ایک ہی شریک کا ہو۔

(۶) عشر فرض ہونے کے لیے کسی نصاب کی شرط نہیں ہے[1] پیداوار

---

[1] یہ امام اعظم کا مسلک ہے صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے نزدیک بھی پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہے، اور عشر کی فرضیت کے لیے یہی ایک شرط ہے کہ پیداوار کم از کم پانچ وسق ہو۔ ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔ (بخاری)

"پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ (عشر) واجب نہیں۔

تھوڑی ہو یا کم عُشر بہر حال فرض ہوگا۔ البتہ ایک صاع یعنی دو ڈھائی کلو سے کم پیداوار قابل لحاظ نہیں ہے۔

(۷) عُشر میں سال گزرنے کی قید نہیں ہے بلکہ جن زمینوں میں سال کے اندر دو بار کاشت کی جاتی ہے ان میں ہر فصل پر عُشر واجب ہے۔

(۸) نابالغ بچے اور کم عقل دیوانے کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(۹) وقف کی زمین اگر کوئی کاشت کرے تو اس کاشت کار پر بھی عُشر واجب ہے۔

(۱۰) جو زمین بارانی ہو اس میں اگر مصنوعی ذرائع سے بھی آب پاشی کی جائے۔ تو عُشر نکالنے میں اس کا لحاظ ہوگا کہ وہ زمین قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہے یا مصنوعی ذرائع سے۔

(۱۱) عُشر ادا کرنے میں یہ اختیار ہے کہ چاہے وہی پیداوار عُشر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

(۱۲) ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں ان کو عشری سمجھنا چاہیئے۔ اور مسلمانوں کو عُشر ادا کرنا چاہیئے۔[۱]

(۱۳) عشری کی زمین کی مال گذاری دینے سے عُشر ساقط نہیں ہوتا۔[۲]

(۱۴) عُشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

---

[۱] ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیونکہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے لہٰذا بحالت اشتباہ احوط عُشر نکالنا ہے (فتاویٰ دار العلوم جلد سوم ص۱۸)

[۲] فتاویٰ دار العلوم سوم ص۱۸۔

رکاز کے مسائل

رکاز سے مراد دفینہ اور معدنیات ہیں۔ زمین میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کو رکاز کہتے ہیں۔

(۱) برآمد شدہ دفینے میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے حدیث میں ہے فی الرکاز الخمس یعنی دفینے میں پانچواں حصہ واجب ہے۔

(۲) کانوں سے نکلنے والی چیزوں میں خواہ وہ دھاتیں ہوں جیسے لوہا، چاندی، سونا، رانگا وغیرہ یا جامد چیزیں ہوں جیسے گندھک وغیرہ ان میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ اور چار حصّے کان والے کے۔

(۳) زمین سے نکلنے والی ان چیزوں میں بیت المال کا کوئی حصہ نہیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں، جیسے جواہرات وغیرہ، اور رقیق چیزوں میں بھی بیت المال کا کچھ واجب نہیں جیسے تیل اور پٹرول وغیرہ [۱]

---

[۱] امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ معدنیات خواہ وہ دھاتیں ہوں یا جوامد (گندھک وغیرہ) یا مائعات (پٹرول، پارہ وغیرہ) سب پر ڈھائی فیصدی زکوٰۃ واجب ہوگی اگر ان کی قیمت بقدر نصاب ہو، اور یہ پرائیویٹ ملکیت میں ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اس مسلک پر عمل بھی تھا۔ (المغنی جلد دوم ص۵۸)۔

صدقہ فطر کے معنی

فطر کے لغوی معنی ہیں روزہ کھولنا۔ اور صدقہ فطر کے معنی ہیں روزہ کھولنے کا صدقہ۔ اصطلاح میں صدقہ فطر سے مراد وہ واجب صدقہ ہے جو رمضان ختم ہونے پر اور روزہ کھلنے پر دیا جاتا ہے۔

جس سال مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔

صدقہ فطر کی حکمت اور فوائد

رمضان المبارک میں روزے رکھنے والے اپنی حد تک یہ کوشش کرتے ہیں کہ رمضان کا احترام کریں اور ان حدود اور آداب و شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھیں، جن کے اہتمام کی شریعت نے تاکید کی ہے، تاہم انسان سے بہت سی شعوری اور غیر شعوری کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ صدقہ فطر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں دل کی آمادگی سے اپنی کمائی خرچ کرے تاکہ ان کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے اور خدا کے حضور روزہ شرف قبول پا سکے۔ اس کے علاوہ عید کے موقع پر صدقہ فطر دینے کی ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی ہے کہ سوسائٹی کے نادار اور غریب افراد بھی اطمینان

اور کشادگی کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی ضرورتیں پوری کر سکیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہو سکیں، تاکہ عیدگاہ کا اجتماع بھی عظیم الشان ہو اور راستوں میں مسلمانوں کی کثرت سے اسلام کی شان و شوکت کا بھی اظہار ہو سکے۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ وہ روزے داروں کو بے ہودہ کاموں اور بے شرمی کی لغزشوں سے پاک کر دے اور نادار حاجت مندوں کے کھانے پینے کا نظم ہو جائے۔ پس جو شخص عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دے گا تو وہ صدقہ شرف قبول پالے گا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ وخیرات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔" [۱]

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "عید کا دن، خوشی کا دن ہے، اور اس دن اسلام کی شان و شوکت کا اظہار مسلمانوں کی کثرت اور عظیم اجتماعیت کے ذریعے کیا جاتا ہے اور صدقۂ فطر سے اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے اس کے علاوہ صدقۂ فطر روزے کی تکمیل کا بھی سبب ہے۔" [۲]

صدقۂ فطر کا حکم

صدقۂ فطر ہر ایسے خوش حال مسلمان مرد اور عورت پر بالغ، نابالغ پر واجب[۳] ہے۔ جس

---

[۱] ابوداؤد، ابن ماجہ۔

[۲] حجۃ اللہ البالغہ۔

[۳] اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض ہے۔ اور ہر امیر، غریب، مرد، عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکے کے

(باقی برصفحہ ۱۲۳)

کے پاس اس کی اصلی ضرورتوں سے زیادہ اتنی قیمت کا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہیں[۱]۔ مثلاً کسی کے پاس اپنی رہائش گاہ کے علاوہ بھی مکان ہے جو خالی پڑا ہے یا کرایہ پر اٹھا ہوا ہے، اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو اس مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ اس مکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں اگر اسی مکان کے کرایے پر اس کا گزارہ ہے تو پھر یہ مکان اصلی ضرورت میں شمار ہوگا اور اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا۔ یا کسی کے گھر میں استعمال ہونے والے سامان کے علاوہ کچھ سامان ہے، مثلاً تانبے کے برتن، یا قیمتی فرنیچر وغیرہ جس کی مالیت نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو صدقۂ فطر واجب ہوجائے گا۔ اگرچہ اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۲۲) گلی کوچوں میں اپنا آدمی بھیج کر یہ اعلان کرایا تھا۔

"آگاہ رہو! صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔" (ترمذی)

نیز ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے بڑے مسلمان پر اور یہ حکم فرمایا ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کریں۔" (بخاری)

[۱] اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر کے لیے نصاب کے بقدر مال ہونا ضروری نہیں۔ جس شخص کے پاس بھی ایک روز کی خوراک سے زائد غلہ اور کھانے کا سامان ہو اس پر صدقۂ فطر فرض ہے۔ (اسلامی تعلیم پنجم ص۱۵۳)

"آگاہ رہو! صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے وہ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا"۔[1]

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے اوپر بیان کیے ہوئے نصاب کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ آزادی شرط ہے نہ بلوغ اور نہ ہوش وخرد۔ غلام پر بھی واجب ہے لیکن اس کا آقا ادا کرے گا۔ نابالغ اور دیوانے پر بھی واجب ہے لیکن اس کا باپ اور ولی ادا کریگا۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مال پر سال گزر جائے بلکہ طلوع فجر سے چند لمحہ پہلے بھی اگر کسی کو خدا مال و دولت سے نواز دے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔

صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت عید کے دن طلوع فجر ہے[2]۔ لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے فوت ہو جائے یا دولت سے محروم ہو کر نادار ہو جائے تو اس پر واجب نہ ہوگا۔ اور اس بچے پر بھی واجب نہ ہوگا۔ جو طلوع فجر کے بعد پیدا ہو، ہاں جو بچہ طلوع فجر سے پہلے عید کی شب میں پیدا ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح جو شخص طلوع فجر سے پہلے اسلام کی سعادت پالے یا دولت مند ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

---

[1] ترمذی۔

[2] اہل حدیث کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر عید کی نماز کے پہلے تک رہتا ہے اس کو فطر کا صدقہ کہتے ہیں۔ لہٰذا رمضان کا آخری روزہ افطار کرنے کے بعد سے ہی یہ واجب ہونا چاہیئے اگرچہ اس کی ادائگی پہلے بھی درست ہے۔

صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت تو عید کے دن طلوعِ فجر ہے لیکن اس کے وجوب کی حکمت اور مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عید سے چند یوم پہلے ہی ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے تاکہ غریب اور نادار لوگ بھی اپنے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت کا سامان اطمینان کے ساتھ فراہم کر کے سب کے ساتھ عیدگاہ جا سکیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ کرامؓ عید الفطر سے ایک دو دن پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے دو چار یوم پہلے ادا نہ کر سکے تو عید کی نماز سے پہلے تو بہرحال ادا کر دینا چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَّقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ۔

"جس شخص نے صدقۂ فطر نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ خدا کے حضور مقبول صدقہ ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ وخیرات کی طرح ایک صدقہ ہے۔"

عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یا کاہلی کی بنا پر عید سے پہلے ادا نہ کر سکے تو وہ عید کے بعد ادا کر دے یہ نہ سمجھے کہ اب معاف ہو گیا ہے۔

کس کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے

(۱) خوش حال مرد پر اپنے علاوہ نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب ہے۔ اگر نابالغ اولاد دولت مند ہے تو اس کے مال میں سے ادا کرے ورنہ اپنے پاس سے

ادا کرے۔

(۲) بالغ اولاد کی طرف سے اس صورت میں واجب ہے جب وہ نادار اور غریب ہو، مال دار ہونے کی صورت میں واجب نہیں۔

(۳) جو اولاد ہوش و خرد سے محروم ہو، ان کے پاس مال ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ان کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے خواہ وہ بالغ ہوں۔

(۴) ان خادموں کی طرف سے بھی واجب ہے جو اس کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور جن کے کھانے کپڑے کا یہ کفیل ہو۔

(۵) بیوی کی طرف سے واجب تو نہیں ہے، لیکن اگر بطورِ احسان ادا کر دیا جائے تو جائز ہے، بیوی کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

(۶) باپ اگر فوت ہو جائے تو دادا کے لیے وہی سارے احکام ہیں جو باپ کے لیے بیان ہوئے۔

(۷) خاتون اگر خوشحال ہو تو اس پر صرف اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اپنے علاوہ کسی طرف سے واجب نہیں نہ اولاد کی طرف سے نہ ماں باپ کی طرف سے اور نہ شوہر کی طرف سے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر کی مقدار اسّی روپے والے سیر کے حساب سے ایک سیر تین چھٹانک گیہوں یا گیہوں کا آٹا ہے اور یہ وزن ایک کلو ایک سو دس گرام (۱۰۱۱۰) بنتا ہے[1]

---

[1] علم الفقہ جلد چہارم ص۵۱-۵۲۔ لیکن مولانا اشرف علی صاحبؒ کے نزدیک ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہے، بلکہ احتیاطاً دو سیر یا اور زائد دینا بہتر ہے۔ (بہشتی زیور تیسرا حصہ ص۳۴)۔

اور اگر جَو یا جَو کا آٹا یا چھوہارے[1] یا منقّٰی دینا ہو تو گیہوں کے وزن سے دوگن یعنی ڈیڑھ سیر چھٹانک دینا ہوگا۔

صدقۂ فطر کے متعلق مسائل

(۱) جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں صدقۂ فطر اس پر بھی واجب ہے، صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔

(۲) صدقۂ فطر میں غلہ بھی دے سکتے ہیں اور غلے کی قیمت بھی، مناسب یہ ہے کہ غلہ یا قیمت دینے میں فقراء اور مساکین کا فائدہ پیش نظر رہے۔

(۳) اگر گیہوں یا جَو کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ جوار، باجرا، چنا، مکئی وغیرہ دینے کا پروگرام ہو تو وہ گیہوں یا جَو کی قیمت کے بقدر ہونا چاہیئے۔

(۴) ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے اور چند فقیروں کو دینا بھی جائز ہے، اسی طرح چند افراد کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو بھی دینا درست ہے اور چند فقیروں کو بھی۔

(۵) اگر کسی کے پاس کچھ گیہوں ہوں اور کچھ جَو تو وہ حساب لگا کر صدقۂ فطر کی مقدار پوری کر کے ادا کرے۔

(۶) اگر ضرورت ہو تو صدقۂ فطر کی رقم دوسرے مقامات پر بھی بھیجی جا سکتی ہے، لیکن کسی شدید اور معقول ضرورت کے بغیر ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

(۷) صدقۂ فطر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

---

[1] دورِ نبوت میں غالباً جَو اور چھوہارے یا منقّٰی کی قیمت تقریباً برابر تھی۔

کتاب الصوم

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رُکن ہے، قرآن میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب و احکام بھی بیان گئے ہیں۔ اور رمضان کی عظمت و برکت کے وجوہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے ہم اس مہینے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں جس کے روزے شریعت نے مسلمانوں پر فرض کیے ہیں۔

رمضان کی عظمت و فضیلت قرآن میں

قرآن پاک میں رمضان کی عظمت و فضیلت کے تین وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) نزول قرآن یعنی اسی مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

(۲) لیلۃ القدر یعنی اسی مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳) فرضیت صوم یعنی اسی مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے ہیں۔

انہی فضائل کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہہ کر خدا کی

طرف نسبت کا شرف بخشا ہے، اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے، ذیل میں ان وجوہ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فضیلت رمضان کے وجوہ

(۱) نزولِ قرآن۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں القرآن نازل کیا گیا۔ جو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے، جو راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔“

رمضان کی عظمت و فضیلت کے لیے صرف یہ بات کیا کم ہے کہ اس میں خدا نے ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اگر سرچشمہ ہدایت سے محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانہ ہستی سورج کی تابناکی اور چاند تاروں کی دلآویز روشنی کے باوجود تیرہ و تار ہوتا، اور ساری صناعی اور حسن و جمال کے باوجود کائنات نہ صرف بے رونق بلکہ نامکمل اور بے مقصد ہوتی، اور کفر و الحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے زیادہ بدتر ہوتے۔ قرآن اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

(۲) لیلۃ القدر:۔ قرآن پاک میں صراحت ہے کہ قرآن رمضان میں نازل کیا گیا، اور یہ کہ لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝ (القدر تا ۵)

"ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا، اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر ایک کام کے انتظام کے لیے اُترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی! یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔"

اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان ہی کی کوئی رات ہے، اور حدیث میں وضاحت ہے۔

"اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے[1]۔"

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو[2]۔"

(۳) فرضیتِ صوم:۔ خدا نے روزے جیسی اہم عبادت کے لیے اس مہینے کو مقرر فرمایا اور اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے قرآن میں ہے۔

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ (البقرہ: ۱۸۵)

"پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے

---

[1] سلمان فارسیؓ مشکوٰۃ۔

[2] بخاری۔

مہینے کے روزے رکھے۔"

رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی عظمت و برکت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

★ "جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اے برائی اور بدعملی کے شایق رُک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے، اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے[1]۔"

★ اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے[2]۔

★ رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔[3]

★ اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔[4]

---

[1] جامع ترمذی، ابن ماجہ۔

[2] مشکوٰۃ۔

[3] علم الفقہ جلد ۳ بحوالہ مرقاۃ المفاتیح۔

[4] مشکوٰۃ۔

★ اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ [۱]

رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ میں

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ (غزوۂ بدر) اسی مہینے میں ہوئی اور حق کو باطل سے ممتاز کر دینے والا مبارک دن جس کو قرآن نے "یوم الفرقان" کہا ہے رمضان ہی کا ایک مبارک دن تھا، اسی دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجیے۔

★ حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔

★ اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں حاصل ہوا۔

★ اور اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں نصیب ہوا۔

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کی یاد دہانی کے لیے آتا ہے شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کیے اور قیام لیل اور تلاوت قرآن کا نظم فرمایا، تاکہ مومنین میں روحِ جہاد مُردہ نہ ہونے پائے اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سُن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔ قرآن کا نزول اور اس

---

[۱] مشکوٰۃ۔

کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لیے ہے کہ فرزندانِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے ہی کے لیے زندہ ہیں اور کسی وقت بھی اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رُک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔

روزے کی فرضیت کا حکم

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد اٹھارویں مہینے میں رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے اور حکم دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا"

٭ روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

روزے کی اہمیت

قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ روزہ تمام آسمانی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر امت کے نظام عبادت میں اس کو ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

"جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔"

یہ آیت محض ایک تاریخی واقعہ بیان کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس اہم حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ روزے کو نفس انسانی کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیۂ قلوب میں اس کو ایک فطری دخل ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کورس اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔

اس کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

"جو شخص کسی (شرعی) عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"[1]

یعنی رمضان کے روزے کی خیر و برکت اور فضیلت و اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی غافل دانستہ رمضان کا کوئی روزہ ترک کر دے تو اس محرومی اور خسران کی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہو سکتی ہاں اس کی قانونی قضا ہو سکتی ہے۔

روزے کا مقصد

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقوےٰ پیدا ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

"تاکہ تم میں تقوےٰ پیدا ہو۔"

تقویٰ دراصل اس "اخلاقی جوہر" کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا

---

[1] احمد، ترمذی، ابوداؤد۔

ہوتا ہے خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبۂ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصور سے جذبۂ خوف ابھرتا ہے اور محبت و خوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمال خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔

روزہ خدا کی ذات پر پختہ یقین اور اس کی دو گونہ صفات، رحمت و کرم اور قہر و غضب کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔۔ دن بھر مسلسل کئی گھنٹے اپنے انتہائی بنیادی اور منہ زوری خواہشات سے رُکا رہنا آدمی پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ وہ انتہائی عاجز و درماندہ اور واقعی مجبور و محتاج ہے، وہ زندگی کی ایک ایک سانس کے لیے خدا کے فضل و کرم کا حاجتمند ہے اور پھر وہ زندگی کو خدا کی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر جذبات محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اور دلی ذوق و شوق کے ساتھ خدا کی اطاعت و بندگی میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی انتہائی پُرزور اور ہیجانی خواہشات سے تنہائی کے ان گوشوں میں بھی رُکا رہتا ہے، جہاں اس پر خدا کے سوا کسی کی نظر نہیں پڑتی تو اس سے خدا کے خوف اور ہیبت کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر خدا کی عظمت و جبروت کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ پھر گناہ کے تصور سے بھی کانپنے لگتا ہے۔

حقیقی روزہ

لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے

جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب و روح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بُری خواہش کو روند ڈالے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

★ "جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے۔" [۱]

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

★ "جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔" [۲]

اور آپ نے متنبہ فرمایا۔

★ "کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔"

روزے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"آدمی کے ہر عملِ خیر کا اجر دس گُنے سے سات سو گُنے تک بڑھایا جاتا ہے۔ مگر خدا کا ارشاد ہے کہ روزہ کا معاملہ اور ہے، وہ تو خالص میرے لیے ہے اور میں خود

---

[۱] کشف المحجوب۔

[۲] صحیح بخاری۔

ہی اس کا اجر دوں گا۔ بندہ میری ہی خاطر اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے،
روزے دار کے لیے دو[۲] مسرتیں ہیں۔
ایک افطار کے وقت (جب وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر خدا کی نعمتوں سے
لذت اندوز ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو ایک فریضہ پورا کرنے کی توفیق بخشی۔
دوسری مسرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت (جب وہ خدا کے حضور باریابی
پائے گا اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کرے گا)۔
اور روزے دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ
ہے اور روزہ (گناہوں سے بچنے کی) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو
تو وہ بے حیائی کی باتوں اور شور و ہنگامے سے دور رہے اور اگر کوئی گالی گلوچ کرنے
لگے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں[۱] (بھلا
میرے لیے لڑنے جھگڑنے کی کیا گنجائش؟)

نیز ارشاد فرمایا۔
"جس شخص نے ایمانی شعور اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے وہ سارے
گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔"[۲]
ایمانی شعور کے ساتھ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر یقین ہو، اس
کے وعدوں پر یقین ہو اور یہ یقین ہو کہ عمل کا اجر لازماً آخرت میں ملے گا اور خدا ہی اپنے
علم و حکمت اور عدل و کرم کی بنیاد پر اجر دے گا۔

---

[۱] بخاری، مسلم۔
[۲] بخاری، مسلم

یہاں احتساب کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی رضا اور اجر آخرت ہی کے لیے روزہ رکھا جائے نیز ان تمام چیزوں سے روزے کی حفاظت کی جائے جو خدا کو ناپسند ہیں اور جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

رُویتِ ہلال کے احکام

(۱) شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر واجب کفایہ[۱] ہے۔ جنتری یا نجوم وغیرہ سے چاند کا حساب لگا کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھنے سے بے نیاز ہو جانا ہرگز جائز نہیں۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ خود اس فن کے ماہر ہوں اور وہ نیک اور پرہیزگار بھی ہوں ان کو خود بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"چاند دیکھ کر روزے رکھو، اور چاند دیکھ کر روزے ختم کرو اور اگر ۲۹ر شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ دن کی گنتی پوری کرو[۲]"

(۲) چاند کی رویت کو کسی تجربہ کی بنیاد پر ماننا اور روزہ رکھنا جائز نہیں مثلاً عوام میں مشہور ہے کہ "جس دن رجب کی چوتھی ہے اسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے

۱۔ یعنی بحیثیت اجتماعی مسلمانوں پر واجب ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کریں اور اس کے لیے مناسب انتظام کریں۔ اور اگر پورے معاشرے نے اس کی اہمیت محسوس نہ کی اور غفلت برتی تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

۲۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

اور بارہا اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے" شریعت میں چاند کے ثبوت کے لیے اس طرح کے تجربوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) رجب کی انتیس ۲۹ تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش اور اہتمام کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ رمضان کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کے لیے شعبان کی تاریخوں کا معلوم رکھنا ضروری ہے[۱] حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کے ایام اور اس کی تاریخیں جس فکر و اہتمام سے یاد رکھتے تھے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں اس اہتمام سے یاد نہ رکھتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے۔ اور اگر ۲۹ر شعبان کو چاند نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ر دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھتے" [۲]

(۴) جو شخص رمضان کا چاند اپنی آنکھ سے دیکھ لے اس پر واجب ہے کہ وہ بستی کے لوگوں یا مسلمانوں کے ذمہ دار افراد یا اداروں کو اس کی خبر پہنچائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

---

[۱] مثلاً رجب کی انتیسویں تاریخ کو چاند نکل آیا لیکن لوگوں نے اس کے دیکھنے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ اور یکم شعبان کو ۳۰ر رجب سمجھ کر حساب لگاتے رہے یہاں تک ۳۰ر شعبان ہو گئی۔ لیکن گرد و غبار یا بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا، اور چونکہ ۲۹ر تاریخ شعبان کی سمجھی جارہی تھی اس لیے یکم رمضان کو لوگ ۳۰ر شعبان سمجھتے رہے، اور رمضان کا ایک روزہ اپنی غفلت سے جاتا رہا۔

[۲] ابوداؤد۔

(۵) مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف دو دیندار افراد کی گواہی سے نہ رمضان کے چاند کا ثبوت ہو سکتا ہے اور نہ عید کے چاند کا۔ ایسی صورت میں کم از کم اتنے افراد کی گواہی ضروری ہے جن کی گواہی سے چاند کا یقین یا گمان غالب ہو جائے۔

(۶) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال رمضان کے ثبوت کے لیے صرف ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر دو شرطیں پائی جائیں۔

۱ — گواہی دینے والا عاقل و بالغ اور دین دار مسلمان ہو۔

۲ — وہ یہ خبر دے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔

(۷) اور مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے چاہے وہ کیسا ہی معتبر اور ثقہ ہو، ہلال عید کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ دو دین دار اور متقی مرد گواہی دیں یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں گواہی دیں، اگر چار عورتیں گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تب بھی عید کے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۸) جن مقامات پر کوئی مسلمان قاضی اور حاکم نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو خود اپنے طور پر چاند دیکھنے اور اس کا اعلان کرنے کا نظم کرنا چاہیئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

(۹) اگر شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہو جائے کہ چاند ہو گیا، لیکن انتہائی تلاش اور تحقیق کے باوجود بھی کوئی ایک ایسا شخص نہیں جو اقرار کرے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔ تو اس صورت میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۱۰) اگر کسی ایسے شخص نے چاند دیکھا جس کی گواہی شریعت میں قابل قبول ہے اور اس کے سوا شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا تو اس کی گواہی سے شہر والے روزہ نہ رکھیں البتہ یہ شخص خود روزہ رکھے اس پر روزہ رکھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔ پھر اگر اس کے تیس روزے پورے ہوجائیں اور عید کا چاند نہ دیکھا جائے تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور عید بستی والوں کے ساتھ منائے۔

(۱۱) اگر کسی نے تنہا عید کا چاند خود اپنی آنکھ سے دیکھا لیکن چونکہ وہ اکیلا ہے اور شریعت میں عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے اس لیے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تو ایسے شخص کے لیے تنہا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھ لینے کی وجہ سے بغیر روزہ کے نہ رہے۔

(۱۲) کسی بستی میں کسی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا اور دوسرے مقامات سے چاند ہوجانے کی خبریں آئیں۔ اگر یہ خبریں شریعت کی رو سے قابل قبول ہوں تو ان سے رمضان کے چاند کا شہادت بھی ہوگا اور عید کے چاند کا ثبوت بھی مسلمانوں کے ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اطلاعات کا جائزہ لیں اور اگر وہ شرعی اعتبار سے قابل قبول ہوں تو ان کے مطابق شہر میں اعلان کرانے کا اہتمام کریں۔

(۱۳) اگر دو معتبر اور ثقہ افراد کی شہادت سے رویت ہلال ثابت ہوجائے اور اسی حساب سے لوگ روزہ رکھیں لیکن تیس روزے پورے ہوجانے پر عید کا چاند نظر نہ آئے تو اکتیسویں دن بہرحال عید کریں اس دن روزہ رکھنا درست نہیں۔

نیا چاند دیکھنے کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ [۱]

"اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر ہم پر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ، جو تجھے پسند اور محبوب ہیں اے چاند ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔"

---

[۱] ترمذی ودارمی وغیرہ۔

روزے کی قسمیں اور اُن کا حکم

روزے کی چھ قسمیں ہیں۔جن کی تفصیل اور احکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

(۱) فرض۔

(۲) واجب۔

(۳) سنت۔

(۴) نفل۔

(۵) مکروہ۔

(۶) حرام۔

(۱) فرض روزے۔سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے اور امت اپنی پوری تاریخ میں تواتر کے ساتھ اس پر عمل کرتی رہی ہے، جو شخص روزۂ رمضان کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، اور جو شخص بغیر کسی عذر کے ترک کرے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے رمضان کے روزے اگر کسی عذر سے یا محض غفلت سے رہ جائیں تو ان کی قضا رکھنی بھی فرض ہے۔یہ غیر معین فرض ہیں یعنی جب توقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد رکھ لیں۔

(۲) واجب روزے

نذر کے روزے، کفارے کے روزے، واجب ہیں، اگر کسی متعین دن کے روزے کی نذر مانی ہے تو اسی دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعین نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں، لیکن بلا وجہ تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔

(۳) مسنون روزے

جو روزے خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں، کہ جن کے نہ رکھنے سے آدمی گنہگار ہو، مسنون روزے یہ ہیں۔

★ عاشورے کے روزے، یعنی محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے دو روزے۔

★ یوم عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ۔

★ ایام بیض کے روزے، یعنی، ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے۔

(۴) نفلی روزے

فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ تمام روزے مستحب ہیں، البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجر و ثواب زیادہ ہے، مثلاً۔

(۱) ماہ شوال کے چھ روزے، ان کو عرف عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں۔

(۲) پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ۔

(۳) ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کا روزہ۔

(۴) ذی الحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے

(۵) مکروہ روزے

★ صرف سنیچر یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔

★ صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا۔

★ کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔

★ بیچ میں ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے، جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

(۶) حرام روزے

سال بھر میں چھ روزے حرام ہیں۔

(۱) عیدالفطر کے دن کا روزہ۔

(۲) عیدالاضحٰی کے دن کا روزہ۔

(۳) ایامِ تشریق۔

(۴) ۱۱ر ذوالحجہ۔

(۵) ۱۲ر ذوالحجہ۔

(۶) ۱۳ر ذوالحجہ کا روزہ۔....

روزے کی شرطیں

روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

★ شرائطِ صحت۔

★ شرائطِ وجوب۔

روزہ صحیح ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائط وجوب کہتے ہیں۔

روزے کے شرائطِ وجوب

روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام ۔ کافر پر روزہ واجب نہیں۔

(۲) بلوغ ۔ نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں[۱]۔

(۳) صومِ رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

(۴) معذور نہ ہونا یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، مثلاً سفر، بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

روزے کے شرائطِ صحت

روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام ۔ کافر کا روزہ صحیح نہیں۔

(۲) خواتین کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔

---

[۱] البتہ عادت ڈلوانے کے لیے نابالغ بچوں سے بھی روزہ رکھوانا چاہیئے ۔ جس طرح نماز پڑھوانے کا اہتمام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے اسی طرح روزہ رکھوانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے، لیکن انہیں بچوں سے رکھوایا جائے جو روزے کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہوں، غلو سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۳) نیت کرنا یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رُکا رہا جن سے روزے میں رُکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کے فرائض

روزے میں صبح صادق نمودار ہونے سے غروب آفتاب تک تین باتوں سے رُکا رہنا فرض ہے۔

(۱) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔
(۲) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا۔
(۳) صبح صادق سے غروب آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔

اس میں جنسی لذت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن میں عادتاً منی کا اخراج ہوتا ہے، خواہ وہ صنف نازک کے علاوہ کسی اور انسان یا بہائم سے حصول لذت ہو یا جلق وغیرہ ہو، سب سے بچنا فرض ہے، البتہ اپنی خاتون کو دیکھنے، یا چمٹانے یا پیار کرنے سے بچنا فرض نہیں ہے اس لیے کہ اس سے عادتاً منی کا اخراج نہیں ہوتا۔

روزے کے سُنن و مستحبات

(۱) سحری کا اہتمام کرنا، سنت ہے۔ چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی ہی ہو۔
(۲) سحری اخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جب کہ صبح صادق ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہو۔
(۳) روزے کی نیت رات ہی سے کرلینا مستحب ہے۔

(۴) افطار جلد کرنا یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔

(۵) چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

(۶) غیبت، چغلی، غلط بیانی، شور و ہنگامہ، غصہ اور زیادتی سے بچنے کا اہتمام کرنا مسنون ہے، یہ کام یوں بھی غلط ہیں لیکن روزے میں ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

روزے کے مُفسدات

روزے میں تین چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

(۱) کچھ کھانے سے۔

(۲) کچھ پینے سے۔

(۳) جنسی لذت حاصل کرنے سے۔

لہٰذا ہر اُس فعل سے روزہ فاسد ہو جائے گا جو اِن تینوں فرضوں کے خلاف ہو، البتہ روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور ایک وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

وجوب کفارہ سے متعلق کچھ اصولی باتیں

(۱) اگر کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی جائے اور اس کو نفع بخش ہونے کا خیال بھی ہو، چاہے وہ غذا ہو یا دوا یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی ہو تو ان صورتوں میں روزے کی قضا بھی واجب ہو گی اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔

(۲) اگر کوئی چیز خود بخود پیٹ میں پہنچ جائے، یا اس کے نفع بخش ہونے کا خیال نہ ہو یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی نہ ہو

تو صرف روزے کی قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) کفارہ صرف رمضان کا روزہ فاسد ہونے سے واجب ہوتا ہے رمضان کے سوا کوئی اور روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا چاہے غلطی سے فاسد ہوجائے یا قصداً فاسد کردیا جائے۔

(۴) رمضان کا قضا روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا صرف ادا روزہ فاسد ہونے ہی سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

(۵) جن لوگوں میں روزے کے شرائط وجوب نہ پائے جائیں ان کا روزہ فاسد ہونے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کا روزہ، نابالغ بچے کا روزہ۔ حیض ونفاس والی خواتین کا روزہ۔ اگرچہ مسافر اور حیض ونفاس والی خواتین نے روزے کی نیت، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اور حیض ونفاس آنے سے پہلے ہی کی ہو۔

(۶) ہر وہ فعل جس میں اپنے قصد اور ارادہ کو دخل نہ ہو، مثلاً بھولے سے کچھ کھا لیا، یا جنسی لذت حاصل کر لی، یا کلی کرتے میں غلطی سے پانی حلق سے نیچے اتر گیا۔ یا کسی نے زبردستی کسی سے جنسی لذت حاصل کر لی تو ان تمام صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۷) جنسی فعل میں فاعل ومفعول دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں۔ دونوں میں سے جو عاقل ہو اور قصداً یہ فعل کرے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اگر عورت عاقل ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے مرد پر نہیں اور اگر مرد عاقل ہے تو مرد پر کفارہ واجب ہے دیوانی عورت پر نہیں۔

(۸) کوئی خاتون چاہے نابالغ بچے سے جنسی فعل کرائے یا کسی دیوانے اور مجنون

سے ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۹) رمضان میں روزے کی نیت کیے بغیر کوئی کھائے پیئے تو اس پر کفارہ واجب نہیں صرف قضا واجب ہے، کفارہ اُسی صورت میں واجب ہوگا جب روزے کی نیت کر لینے کے بعد روزہ توڑے۔

(۱۰) کسی شبہ کی بنیاد پر اگر کوئی اپنا روزہ فاسد کر دے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

وہ صورتیں جن میں صرف روزے کی قضا واجب ہوتی ہے

(۱) کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہے کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) کسی نے سورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہ سمجھ کر کہ سورج ڈوب گیا ہے افطار کر لیا۔ تو قضا واجب ہے۔

(۳) بے ارادہ کوئی چیز پیٹ میں پہنچ گئی مثلاً کلی کے لیے منہ میں پانی لیا اور وہ حلق سے نیچے اتر گیا۔ ناک یا کان میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی۔ پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ اس زخم کی راہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہے۔

(۴) کسی نے روزہ دار کو زبردستی کچھ کھلا پلا دیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۵) کسی نے زبردستی کسی خاتون کے ساتھ جنسی فعل کیا یا غافل سو رہی تھی یا بے ہوش تھی اور کسی نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو خاتون پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶) کسی نادان نے مُردہ عورت یا کمسن بچی کے ساتھ جنسی فعل کیا یا بہائم کے

ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی کو لپٹایا یا بوسہ لیا یا جلق کا مرتکب ہوا اور ان صورتوں میں انزال ہو گیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۷) کسی نے روزے کی نیت ہی نہیں کی لیکن کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہا یا نیت کی مگر نصف النہار کے بعد کی تو ان صورتوں میں روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

(۸) روزے میں کسی کے منہ میں آنسو یا پسینے کے قطرے چلے گئے اور پورے منہ میں اس کی نمکینی محسوس ہوئی اور وہ ان قطروں کو نگل گیا تو روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔

(۹) منہ میں کوئی شخص پان دبائے سو گیا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

(۱۰) روزے میں کسی نے قصداً منہ بھر قے کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے۔

(۱۱) کسی نے روزے میں کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا اور کوئی ایسی چیز کھا لی جس کو نہ بطور غذا کھاتے ہیں نہ بطور دوا تو اس صورت میں روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

(۱۲) روزے میں کسی خاتون نے اپنے مقام خاص میں کوئی دوا ڈالی یا تیل ڈالا تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہے۔

(۱۳) کسی نے روزے میں بھولے سے کھا پی لیا، اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے قصداً کچھ کھا پی لیا تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۴) کسی نے روزے میں کان کے اندر تیل ڈالا، یا جلاب میں عمل لیا تو روزہ جاتا رہا اور اس کی صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۵) کسی خاتون نے علاج وغیرہ کی ضرورت سے اپنی اگلی شرمگاہ میں اپنی انگلی داخل کی یا کسی دائی وغیرہ سے داخل کرائی اور پھر ساری انگلی یا انگلی کا کچھ حصہ نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اور اگر دوبارہ داخل نہیں کی لیکن انگلی کسی چیز میں بھیگی ہوئی تھی تو پہلی ہی بار داخل کرنے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی خاتون اپنی شرمگاہ میں روئی وغیرہ رکھے اور سب اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہو گی۔

(۱۶) جماع اور لواطت کے علاوہ جنسی لذت کا کوئی ایسا فعل کیا جس سے عادۃً انزال ہو جاتا ہے، اگر انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم آئے گی، مثلاً کوئی جلق کا مرتکب ہوا۔ یا کسی نے خاتون کی ناف، ران یا کولھوں میں عضو خاص گھسا کر منی خارج کی، یا کسی جانور کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی خاتون نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ حصول لذت کی کوشش کی اور انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم ہو گی، کفارہ واجب نہ ہو گا۔

(۱۷) مسواک کرتے ہوئے یا یونہی مسوڑھے وغیرہ سے خون نکلا اور روزہ میں تھوک کے ساتھ نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا قضا واجب ہے، ہاں اگر خون تھوک کی مقدار سے کم ہے اور حلق میں محسوس نہیں ہو رہا ہے تو روزہ نہیں جائے گا۔

وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں

(۱) کسی نے روزے میں جذبات سے مغلوب ہو کر جنسی فعل کا ارتکاب کیا

چاہے وہ مرد ہو یا عورت، یا مرد نے لواطت کی تو قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۲) کسی خاتون نے مرد سے ہمبستری کی اور عضو کا سر اندر داخل ہو گیا تو چاہے منی کا خروج ہو یا نہ ہو ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۳) کسی نادان نے عورت سے ہمبستری کی اور اس کے پچھلے حصے میں عضو کا سر داخل کر دیا تو دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۴) کسی نے ایسی کوئی چیز کھا پی لی جو کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے یا ایسی چیز کھائی جو کھانے پینے میں استعمال نہیں کی جاتی لیکن دوا کے طور پر کھا پی لی، کہ اس سے فائدہ ہو گا۔ تو روزہ جاتا رہا اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

(۵) خاتون غافل سو رہی تھی یا بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مرد نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو مرد پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۶) کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس شخص نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ میرا روزہ فاسد ہو گیا اور پھر قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی، مثلاً کسی نے سرمہ لگایا، سر میں تیل ڈال دیا یا پچھنے لگوائے یا کسی خاتون کو چپٹایا یا بوسہ لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ جاتا رہا قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا اس صورت میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

یعنی ان چیزوں کا بیان جن کے کرنے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ہو جاتا ہے، ان سب چیزوں کی کراہت تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔

(۱) کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، البتہ کوئی خاتون مجبوراً اس لیے کھانے کی چیزوں کا ذائقہ پکاتے وقت، یا بازار سے خریدتے وقت چکھ لے کہ اس کا شوہر بد مزاج اور سخت گیر ہے، یا اس طرح کوئی ملازمہ اپنے آقا کے خوف سے چکھ لے تو مکروہ نہیں۔

(۲) منہ میں کوئی چیز چبانا یا یونہی ڈالے رکھنا۔ مثلاً کوئی خاتون اپنے ننھے بچے کو کھلانے کے لیے اپنے منہ میں کوئی چیز دبائے یا نرم کرنے کے لیے یا ٹھنڈا کرنے کے لیے منہ میں ڈالے تو یہ مکروہ ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ مثلاً کسی کا بچہ بھوکا ہے۔ اور وہ صرف وہی چیز کھاتا ہے جو منہ میں چبا کر اس کو دی جائے، اور کوئی بے روزہ آدمی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں چبا کر کھلانا مکروہ نہیں۔

(۳) کسی عورت کا ہونٹ منہ میں لے لینا، یا ننگے ہو کر بدن ملانا مکروہ ہے ۔ چاہے انزال ہونے اور صحبت کر لینے کا خوف ہو یا نہ ہو۔

(۴) روزے میں کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے اتنی زیادہ کمزوری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا۔

(۵) کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں ضرورت سے زیادہ اہتمام اور غلو کرنا۔

(۶) بلاوجہ منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔

(۷) بے قراری، گھبراہٹ، اور اضمحلال کا اظہار کرنا۔

(۸) غسل کی حاجت ہو اور موقع بھی ہو پھر بھی کوئی شخص بلاوجہ قصداً صبح صادق کے بعد تک غسل نہ کرے تو یہ مکروہ ہے۔

(۹) منجن، پیسٹ، یا کوئلہ وغیرہ چبا کر اس سے دانت مانجھنا۔

(۱۰) روزے میں غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ اور شور و ہنگامہ کرنا، مارنا پیٹنا اور کسی پر زیادتی کرنا۔

(۱۱) قصداً حلق میں دھواں، یا گرد و غبار پہنچانا مکروہ ہے، اور اگر لوبان وغیرہ سلگا کر اس کو سونگھا یا حقہ، سگرٹ اور بیڑی وغیرہ پی لیا تو روزہ جاتا رہا۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱) روزے کا خیال نہ رہا اور بھولے سے کچھ کھا پی لیا یا شریک حیات سے جنسی لذت حاصل کی، چاہے ایک بار ایسا کیا یا کئی بار اتفاق ہوا حد یہ کہ اگر بھولے سے پیٹ بھر کر بھی کھا پی لیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۲) دن میں روزہ دار سو گیا اور سوتے میں کوئی ایسا خواب جس سے غسل کی حاجت ہو گئی تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۳) دن میں سرمہ لگانا، سر میں تیل ڈالنا یا بدن پر مالش کرنا، خوشبو سونگھنا سب درست ہے، سرمہ لگانے کے بعد اگر بلغم میں سرمہ کی سیاہی محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۴) اپنی شریک حیات کے ساتھ لیٹنا، بغل گیر ہونا، بوس و کنار کرنا، سب درست ہے، ہاں اگر انزال کا اندیشہ یا جذبات کے ہیجان میں صحبت کر لینے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سب کام مکروہ ہیں۔

(۵) روزے میں تھوکنا اور بلغم نگلنا مکروہ نہیں۔

(۶) روزے میں حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا بے اختیار گرد و غبار یا دھواں چلا گیا تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان میں کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی تو

روزہ جاتا رہے گا۔

(۷) کسی خاتون کے جنسی اعضاء کو دیکھنے سے یا کوئی جنسی خیال دل میں لانے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۸) کسی جانور کے جنسی اعضاء کو چھونے سے اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۹) مرد کے لیے اپنے عضو خاص کے سوراخ میں تیل یا پانی یا دوا وغیرہ ڈالنا یا پچکاری سے پہنچانا، یا سلائی وغیرہ داخل کرنا جائز ہے، اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) کوئی شخص خشک لکڑی یا خشک انگلی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کرے، لیکن لکڑی اندر غائب نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی نے یہ سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے اور وہ اپنی شریک حیات سے صحبت میں مشغول ہو گیا، یا روزہ کا خیال نہ رہا، اور صحبت شروع کر دی لیکن پھر جونہی معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی ہے یا روزہ یاد آیا تو فوراً علیحدہ ہو گیا اس صورت میں اگر علیحدہ ہونے کے بعد انزال ہو تب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس انزال کا حکم وہی ہوگا جو روزے میں احتلام کا ہے۔

(۱۲) کان میں پانی چلا جائے یا کوئی قصداً ڈال لے تو اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۳) دانتوں کے درمیان غذا یا بوٹی یا کوئی ریشہ یا چھالیہ کا کوئی ٹکڑا رہ گیا اور اس کو منہ سے نہیں نکالا بلکہ اندر ہی اندر نگل لیا اگر یہ چنے کی مقدار سے کم

ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۴) بے اختیار قے ہوگئی منہ بھر کر ہوئی یا اس سے کم یا زیادہ بہرحال روزہ مکروہ نہ ہوگا۔ اگر اس صورت میں بے اختیار کچھ حصہ پھر پیٹ میں لوٹ جائے تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۵) روزے میں کسی وقت بھی مسواک کرنا، چاہے خشک لکڑی سے کی جائے یا بالکل تازہ اور تر لکڑی سے، نیب کی تازہ مسواک کا کڑوا کڑوا ذائقہ منہ میں محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۶) گرمی کی شدت میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ ہاتھ دھونا، نہانا، کپڑا تر کر کے بدن پر رکھنا مکروہ نہیں۔

(۱۷) اگر پان کھانے کے بعد اچھی طرح کلی اور غرارہ کر کے منہ صاف کر لیا۔ لیکن تھوک میں سرخی اب بھی محسوس ہو رہی ہے تو کوئی حرج نہیں اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۸) اگر قصداً قے کی لیکن تھوڑی سی قے کی منہ بھر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۱۹) مسواک کرنے میں یا ویسے ہی منہ سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نگل لیا۔ اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور حلق میں خون کا مزہ معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

---

(۱) نیت کے معنی ہیں دل میں ارادہ کرنا، زبان سے نیت کا اظہار کرنا ضروری نہیں، صرف دل میں ارادہ کرلینا کافی ہے، بلکہ سحری کھانا بھی نیت ہی کے قائم مقام ہے اس لیے کہ سحری روزے ہی کی غرض سے کھائی جاتی ہے۔ البتہ جو لوگ اس وقت کھانے کے عام طور پر عادی ہوں یا جو نادان سحری اہتمام سے کھاتے ہوں اور روزہ نہ رکھتے ہوں تو ان لوگوں کی سحری نیت کے قائم مقام نہ ہوگی، ان کے لیے ضروری ہے کہ نیت کریں۔

(۲) رمضان المبارک کے ہر روزے کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے، رمضان کے سارے روزوں کے لیے صرف ایک دن نیت کرلینا کافی نہیں ہے۔

(۳) رمضان کے ادا روزوں میں فرض کہہ کر نیت کرنا ضروری نہیں۔ صرف روزے کی نیت کرلینا کافی ہے، البتہ کوئی مریض اگر رمضان کا روزہ رکھے تو وہ فرض کی تعیین کرے اس لیے کہ اس پر رمضان کا روزہ فرض نہیں ہے مریض اگر محض روزے کی نیت کرے یا نفل روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ رمضان کا روزہ نہ ہوگا۔

(۴) مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کسی اور واجب روزے کی نیت نہ کرے رمضان کے فرض روزے کی نیت کرے، یا نفلی روزے کی نیت کرے

ہر طرح درست ہے۔

(۵) رمضان کے قضا روزوں میں متعین طور پر فرض کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص شب میں روزہ کی نیت کرنا بھول جائے اور دن میں اس کو یاد آئے تو ان تین قسم کے روزوں میں نصف النہار سے پہلے پہلے تک نیت کر لینا درست ہے، یعنی غروب آفتاب سے قبل نصف النہار[1] تک کسی وقت بھی نیت کر لے درست ہے۔

(۱) رمضان کے ادا روزوں میں۔

(۲) نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ کی تخصیص کر دی گئی ہو۔

(۳) نفلی روزوں میں۔

(۷) ان چار قسم کے روزوں میں غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک نیت کر لینا ضروری ہے، ان میں صبح صادق کے بعد نیت کرنا کافی نہیں ہے۔

(۱) رمضان کے قضا روزوں میں۔

(۲) نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ متعین نہ ہو۔

(۳) کفارے کے روزوں میں۔

(۴) اور ان نفلی روزوں کی قضا میں جو شروع ہو جانے کے بعد کسی وجہ سے فاسد ہو گئے ہوں۔

(۸) اگر شب میں کسی وجہ سے روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، پھر صبح کو بھی روزہ نہ

---

[1] شرعی دن صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ اسی کے پیش نظر نصف النہار کا اندازہ کرنا چاہیے۔

رکھنے ہی کا خیال رہا، پھر نصف النہار سے پہلے خیال آیا کہ رمضان کا روزہ چھوڑنا مناسب نہیں اور نیت کرلی تو یہ روزہ درست ہے ہاں اگر صبح میں کچھ کھا پی لیا تھا تو اب نیت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

(۹) رمضان کے مہینے میں کسی نے فرض روزے کے بجائے نفلی روزے کی نیت کی اور یہ سوچا کہ فرض روزے کی قضا رکھ لوں گا۔ تب بھی وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ نفلی روزہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نفلی روزے کے بجائے واجب روزے کی نیت کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہوا۔ اصولی بات یہ ہے کہ رمضان میں صرف رمضان کا فرض روزہ ہی صحیح ہے کوئی اور روزہ صحیح نہیں ہے۔

(۱۰) روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس لیے صبح صادق سے پہلے پہلے وہ سارے کام جائز ہیں، جن سے بچنا روزے میں فرض ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روزے کی نیت کرلینے کے بعد کچھ کھانا پینا وغیرہ جائز نہیں، یہ غلط ہے، صبح صادق سے پہلے پہلے کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے چاہے غروب آفتاب کے بعد ہی دوسرے دن کے روزے کی نیت کرلی ہو۔

(۱۱) نفلی روزہ نیت کرنے سے واجب ہو جاتا ہے اگر صبح کے وقت یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے اور پھر اس کے بعد روزہ توڑ دیا، تو اس روزے کی قضا واجب ہے۔

(۱۲) کسی نے شب میں یہ ارادہ کیا کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا۔ لیکن پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے ارادہ بدل دیا، اور روزہ نہیں رکھا، تو اس صورت میں قضا واجب نہیں۔

(۱۳) اگر شب میں نیت کرے تو کہے۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

"میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی"

اور دن میں نیت کرے تو کہے۔

نَوَيْتُ بِصَوْمِ الْيَوْمِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

"میں نے ماہ رمضان کے آج کے روزے کی نیت کی"

لیکن عربی میں نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں کسی بھی زبان میں کہہ لے۔

روزہ رکھنے کی غرض سے صبح صادق سے پہلے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے اُسے "سحری"
کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سحری کا اہتمام فرماتے اور دوسر دن کو بھی سحری
کھانے کی تاکید فرماتے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت مجھ سے فرماتے۔

"میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلاؤ"

تو میں کچھ کھجوریں اور ایک برتن میں پانی پیش کر دیتا۔

اور آپؐ نے سحری کھانے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"سحری کھا لیا کرو اس لیے کہ سحری کھانے میں بڑی برکت ہے"

برکت سے مراد یہ ہے کہ دن کے کاموں میں اور عبادت و اطاعت میں کمزوری
محسوس نہ ہوگی اور روزے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"دن کو روزہ رکھنے میں سحری کھانے سے مدد لیا کرو۔ اور قیام لیل
کے لیے قیلولے سے مدد لیا کرو"

سحری کھانا سنت ہے اور مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے روزوں میں فرق یہ

۱؎ مفہوم حدیث مسلم۔

بھی ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور مسلمان سحری کھاتے ہیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو کچھ تھوڑا سا میٹھا، یا دو دھ یا کم از کم پانی ہی پی لینا چاہیئے۔ اس لیے کہ سحری کھانے کا بڑا اجر و ثواب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"سحری کا کھانا سراسر برکت ہے، سحری کھانا کبھی نہ چھوڑو۔ چاہے پانی کا ایک گھونٹ ہی ہو، کیونکہ سحری کھانے والوں پر خدا رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں" [۱]

سحری میں تاخیر

سحری اخیر وقت میں کھانا جب کہ صبح صادق میں تھوڑی ہی دیر باقی ہو مستحب ہے، بعض لوگ بنظر احتیاط بہت پہلے سحری کھا لیتے ہیں یہ بہتر نہیں ہے بلکہ تاخیر سے کھانے میں اجر و ثواب ہے۔

افطار میں تعجیل

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد احتیاط کے خیال سے تاخیر کرنا مناسب نہیں بلکہ فوراً ہی افطار کر لینا چاہیے۔ اس طرح کی غیر ضروری احتیاطوں کے اہتمام سے دینی مزاج بگڑ جاتا ہے، دینداری یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالے، بلکہ دینداری یہ ہے کہ خدا کے حکم کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

[۱] الترغیب۔

یہ تین باتیں پیغمبرانہ اخلاق کی ہیں۔

(۱) سحری تاخیر سے کھانا۔

(۲) افطار میں تعجیل کرنا۔

(۳) نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ "ہم لوگ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آپؐ روزے سے تھے، جب سورج نظروں سے اوجھل ہو گیا تو آپؐ نے کسی سے فرمایا۔

"اٹھو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔"

اس شخص نے کہا "یا رسول اللہ! کچھ دیر اور ٹھہر جائیں کہ شام ہو جائے تو اچھا ہو۔"

ارشاد فرمایا "سواری سے اترو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔"

اس شخص نے پھر کہا "یا رسول اللہ! ابھی دن پھیلا ہوا ہے۔"

آپؐ نے پھر ارشاد فرمایا "سواری سے اترو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔"

تب وہ اترا اور اس نے سب کے لیے ستو تیار کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو نوش فرمائے اور ارشاد فرمایا "جب تم دیکھو کہ رات کی سیاہی اس طرف سے چھانا شروع ہو گئی ہے تو روزہ دار کو روزہ کھول دینا چاہیے۔" [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے۔

---

[1] بخاری۔

"اپنے بندوں میں سب سے زیادہ مجھے وہ بندہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے"[1] (یعنی غروب آفتاب کے بعد ہرگز تاخیر نہ کرے)

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"لوگ اچھی حالت میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے"[2]

کس چیز سے افطار مستحب ہے

کھجور اور چھوارے سے افطار کرنا مستحب ہے اور یہ میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار بھی مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی انہی چیزوں سے افطار فرماتے۔

"حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتیں تو چھواروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی ہی نوش فرما لیتے تھے۔"[3]

اور انہی چیزوں سے افطار کی ترغیب آپ نے صحابہ کرام کو دی اور فرمایا۔

"جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرے، فی الواقع پانی انتہائی پاک ہے۔"[4]

کھجور عرب کی پسندیدہ غذا بھی تھی اور ہر غریب و امیر کو آسانی سے میسر بھی آجاتی

---

[1] جامع ترمذی۔

[2] بخاری، مسلم۔

[3] جامع ترمذی، ابوداود۔

[4] احمد، ترمذی، ابوداؤد۔

تھی، رہا پانی تو وہ ہر جگہ فراوانی سے مہیا ہے، ان چیزوں سے روزہ افطار فرمانے اور ترغیب دینے کی مصلحت یہ ہے کہ امت کسی مشقت میں مبتلا نہ ہو اور بروقت سہولت کے ساتھ روزہ افطار کر سکے پھر پانی کی ایک خوبی آپ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اتنی پاک چیز ہے کہ ہر چیز اس سے پاک ہو جاتی ہے، ظاہر کا پاک ہونا تو محسوس امر ہے، باطن بھی اس سے پاک ہو جاتا ہے، روزہ دار جب دن بھر خدا کی خوشنودی کے لیے شعوری ایمان کے ساتھ پیاسا رہے گا اور شام کو ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائے گا تو بے اختیار شکر و احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں گے جن سے اس کے باطن کو جلا نصیب ہوگی۔

مگر یہ خیال رہے کہ اس معاملے میں غلو کرنا، اور کسی دوسری چیز سے افطار کو غیر متقیانہ فعل سمجھنا سراسر غلط ہے اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ نمک سے افطار کرنا بڑا اجر و ثواب ہے۔

افطار کی دعا

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔[1]

"اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، اور تیری ہی دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔"

افطار کے بعد کی دعا

ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ

---

[1] ابوداؤد۔

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔ [1]

"پیاس جاتی رہی، رگیں سیراب ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ضرور ملے گا۔"

افطار کرانے کا اجر و ثواب

دوسرے کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے اور افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لقمے کھلائے یا ایک کھجور ہی سے افطار کرا دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کو روزے دار کی طرح اجر و ثواب ملے گا۔" [2]

بے سحری کا روزہ

شب میں سحری کھانے کے لیے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہیے سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔ محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔

اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیا ہے تو اگرچہ اس صورت میں روزہ نہ ہوگا لیکن پھر بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح رہے اور کچھ نہ کھائے پیئے۔

---

[1] ابوداؤد۔

[2] بیہقی۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہوجانے کا شبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہوجانے کے باوجود کھاپی لیا تو بہت برا کیا ایسے وقت میں کھانا گناہ ہے پھر اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صبح ہوچکی تھی تو قضا واجب ہے، اور اگر شبہ ہی رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قضا کا روزہ رکھے۔

وہ معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسی معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں ان میں سے کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے، ان معذوریوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱. سفر۔
۲. بیماری۔
۳. حمل۔
۴. ارضاع۔ یعنی بچے کو دودھ پلانا۔
۵. بھوک پیاس کی شدت۔
۶. ضعف اور بڑھاپا۔
۷. خوف ہلاکت۔
۸. جہاد۔
۹. بے ہوشی۔
۱۰. جنون اور دیوانگی۔

سفر

شریعت نے اپنے سارے احکام میں بندوں کی سہولت اور آسانی کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ اور کسی معاملے میں بھی ان کو کسی بے جا مشقت اور تنگی میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے بھی قرآن نے مسافر اور مریض کی معذوری کا لحاظ کیا ہے اور ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا
أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ: ۱۸۵)

"پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کرلے۔"

سفر خواہ کسی بھی غرض کے لیے ہو اور چاہے اس میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں یا مشقتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں ہر حال میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ جس سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھ لے، تاکہ رمضان کی فضیلت و برکت حاصل ہو سکے لیکن مشقت و پریشانی کی صورت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

(۲) اگر روزے کی نیت کر لینے کے بعد یا روزہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص سفر پر روانہ ہو، تو اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) اگر کوئی مسافر نصف النہار سے پہلے پہلے کہیں مقیم ہو جائے اور اس وقت تک اس نے روزے کو فاسد کرنے والا کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ فاسد کر دے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی مسافر کسی مقام پر کچھ دن قیام کا ارادہ کر لے چاہے پندرہ دن سے کم ہی کا ارادہ کرے، تب بھی بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے ان ایام میں روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔

بیماری

(۱) اگر روزہ نہ رکھنے سے کسی بیماری کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو یا یہ خیال ہو کہ دوا نہ ملنے کی وجہ سے یا غذا نہ ملنے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی یا یہ خیال ہو کہ دیر میں صحت حاصل ہوگی تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ایسا خیال کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہونی چاہیئے۔ مثلاً کوئی نیک ماہر طبیب ہدایت کرے، یا اپنا بار بار کا تجربہ ہو، یا گمان غالب ہو، محض یوں ہی وہم وخیال کی بنا پر روزہ ترک کر دینا جائز نہیں۔

(۲) اگر کسی نے محض اپنے وہم وخیال سے کہ شاید روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائے یا بڑھ جائے نہ خود اس کا کوئی تجربہ ہے اور نہ اس نے کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر ہی سے مشورہ لیا، اور روزہ نہیں رکھا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کو کفارہ بھی دینا پڑے گا۔

(۳) کسی بے دین اور شریعت کی قدر و اہمیت محسوس نہ کرنے والے طبیب کے مشورے پر عمل کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

حمل

(۱) اگر کسی خاتون کو گمان غالب ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گی تو بچے کو نقصان پہنچے گا یا خود اسی کو نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۲) اگر روزہ کی نیت کر لینے کے بعد کسی خاتون کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کا گمان غالب یہ ہے کہ حمل کی صورت میں روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ توڑ دے اور پھر قضا رکھے، اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔

ارضاع

(۱) دودھ پلانے روزہ رکھنے سے اگر گمان غالب یہ ہو کہ بچے والی خاتون کو شدید نقصان پہنچے گا۔ مثلاً دودھ خشک ہو جائے گا اور بچہ بھوک سے تڑپے گا یا خود اپنی ہی جان کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۲) اور اگر اجرت دے کر دودھ پلوایا جا سکتا ہو اور بچہ بھی کسی دوسرے کا دودھ پی لے تو پھر روزہ نہ رکھنا درست نہیں۔ اور اگر بچہ کسی دوسری خاتون کا دودھ پیتا ہی نہ ہو تب بھی روزہ چھوڑ دینا درست ہے۔

(۳) اجرت پر دودھ پلانے والے خاتون کو بھی اگر گمان غالب ہو کہ روزہ رکھنے سے بچے کو یا خود اس کو نقصان پہنچے گا تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔

(۴) کسی خاتون نے عین رمضان کے دن ہی دودھ پلانے کی ملازمت

شروع کی، اس دن اگر وہ روزے کی نیت بھی کر چکی ہو تب بھی اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے، روزہ توڑنے سے اس پر صرف قضا لازم ہو گی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

بھوک پیاس کی شدّت

اگر کوئی شخص بھوک پیاس کی شدّت سے اس قدر بے تاب ہو جائے کہ جان جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا عقل میں فتور آنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

ضعف اور بڑھاپا

(۱) کوئی شخص اب بیمار تو نہیں ہے لیکن بیماری کی وجہ سے اتنی کمزوری ہو گئی ہے، کہ روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑ جانے کا گمان غالب ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

(۲) کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گیا ہے اس کے لیے بھی اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور چونکہ ایسے ضعیف کے بارے میں یہ توقع نہیں ہے کہ وہ کبھی تندرست ہو کر قضا رکھے گا اس لیے اس پر واجب ہے کہ روزے کا فدیہ ادا کرے، چاہے اسی وقت دے یا بعد میں ادا کرے، فدیہ کی تعداد وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے۔

خوفِ ہلاکت

اگر محنت مشقت کی وجہ سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ظالم مجبور کر رہا ہو کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو جان سے مار ڈالوں گا یا شدید مار لگاؤں گا۔ یا کوئی عضو کاٹ لوں گا۔ تو ایسے شخص کے لیے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

جہاد

دشمنانِ دین سے جہاد کی نیت ہو اور یہ خیال ہو کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

* بالفعل جہاد ہو رہا ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔
* بالفعل جہاد نہیں ہو رہا ہے لیکن جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہے تب بھی اجازت ہے۔
* اور اگر روزہ رکھ لیا ہو اور ایسا موقع پیش آجائے تو روزہ توڑ دینے کی بھی اجازت ہے، روزہ توڑ دینے سے کفّارہ لازم نہ آئے گا۔

بے ہوشی

اگر کسی پر بے ہوشی طاری ہو جائے، اور کئی دن تک یہی صورت رہے تو اس صورت میں جو روزے رکھے جائیں گے ان کی قضا واجب ہوگی۔ البتہ جس شب میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے، اگر اس دن بے ہوش ہونے والے سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا ہے جو روزے کو فاسد کرنے والا ہو۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ بے ہوش ہونے والے نے روزے کی نیت کی تھی یا نہیں، تو اس دن اس کا روزہ سمجھا جائے گا اور اس دن کی قضا لازم نہ آئے گی البتہ بقیہ سارے دنوں کی قضا واجب ہوگی۔

جنون

اگر کسی پر جنون طاری ہو جائے اور اس حالت میں وہ روزے نہ رکھ سکے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ کسی وقت بھی جنون میں کوئی افاقہ نہیں ہو تو ایسی صورت میں تو روزے بالکل معاف ہیں نہ قضا ہی واجب ہوگی اور نہ فدیہ واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی وقت جنون میں افاقہ ہو جاتا ہو تو اس شکل میں اس پر قضا واجب ہوگی۔

وہ صورتیں جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے

(۱) یکایک کوئی زبردست دورہ پڑ گیا، یا کوئی ایسی بیماری ہوگئی کہ جان پر بن آئی یا خدا نخواستہ موٹر وغیرہ سے کوئی حادثہ ہو گیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ جان جاتی رہے گی البتہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

(۳) اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ نہ کھانے پینے سے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

(۴) کسی حاملہ خاتون کو کوئی ایسا حادثہ پیش آگیا کہ اپنی یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

(۵) کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ کھایا، اور فوراً دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہیئے۔

(۶) کمزوری تو تھی لیکن ہمت کر کے روزہ رکھ لیا دن میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ کھولا تو جان پر بن آئے گی یا پھر مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

قضا روزوں کے مسائل

(۱) رمضان المبارک کے جو روزے کسی وجہ سے رہ گئے ہوں ان کی قضا میں بلا وجہ تاخیر کرنا درست نہیں، بہتر یہ ہے کہ جتنی جلد ہو سکے رکھ لے۔

(۲) رمضان المبارک کے روزے ہوں یا اور کسی قسم کے یہ ضروری نہیں کہ مسلسل ان کی قضا رکھی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ عذر ختم ہوتے ہی فوراً رکھ لیے جائیں بلکہ جب موقع ہو تو ان کی قضا رکھ سکتے ہیں۔

(۳) روزوں کی قضا میں ترتیب فرض نہیں ہے، مثلاً قضا کے روزے رکھے بغیر ادا روزے رکھنا درست ہے۔

(۴) قضا کے روزے رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دن اور تاریخ وغیرہ مقرر کر کے رکھے جائیں۔ بلکہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں ان کے بدلے اتنے ہی روزے رکھ لینا چاہیئے۔

(۵) اگر رمضان کے دو سال کے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو یہ تعین ضروری ہے کہ کس سال کے روزوں کی قضا رکھ رہا ہے، اس لیے یہ نیت کر کے روزے رکھے کہ میں فلاں سال کے قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

(۶) قضا روزے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ رات سے نیت کی جائے

اگر صبح صادق کے بعد قضا کی نیت کی تو قضا درست نہیں یہ روزہ نفل ہو جائے گا اور قضا کا روزہ پھر رکھنا واجب ہے۔

(۷) اگر رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں، اور ان کی قضا رکھنے کا موقع نہ مل سکا ہو کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھے قضا کے روزے رمضان کے بعد رکھے۔

(۸) کسی نے شک کے دن میں رمضان کا روزہ رکھا بعد میں معلوم ہوا کہ آج تو شعبان کی ۳۰ر تاریخ ہے تو یہ روزہ نفلی ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ہوگا[۱] اور اگر معلوم ہونے کے بعد توڑ دے تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی اس لیے کہ نفل مظنون میں قضا واجب نہیں ہوتی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ آج یکم رمضان ہے تو پھر وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

کفارہ اور اُس کے مسائل

رمضان کا روزہ فاسد ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے جائیں درمیان میں کوئی ناغہ نہ کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے پورے ساٹھ روزے رکھے جائیں اور ناغے سے پہلے جو روزے رکھ لیے تھے ان کا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو پھر ساٹھ محتاجوں کو

---

[۱] عینی الہدایہ جلد ۱ ص۲۰۴۔

صبح و شام پیٹ بھر کھانا کھلانا واجب ہے۔ [1]

(۱) خواتین کے لیے کفارے میں یہ سہولت ہے کہ حیض کی وجہ سے ناغہ ہو جانے سے کفارہ کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ناغہ نہ کریں پاک ہوتے ہی پھر روزے رکھنے شروع کر دیں۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے دوران اگر نفاس کا زمانہ آجائے تو اس سے بھی کفارے کا تسلسل ختم ہو جائے گا۔ اور نئے سرے سے پھر دو مہینے کے پورے روزے رکھنا واجب ہوں گے۔

(۳) کفارے کے روزوں کے دوران اگر ماہ رمضان آجائے تو پہلے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کے بعد کفارے کے پورے ساٹھ روزے پھر نئے سرے سے رکھے۔

(۴) اگر ایک ہی رمضان کے دوران ایک سے زائد روزے فاسد ہو گئے ہوں تو سب کے لیے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

(۵) اگر کسی پر ایک کفارہ واجب ہوا اور وہ ابھی ادا کرنے نہیں پایا تھا کہ دوسرا واجب ہو گیا تو صرف ایک ہی کفارہ دونوں کے لیے واجب ہوگا۔ چاہے یہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں بشرطیکہ روزہ فاسد ہونے کی وجہ جنسی فعل نہ ہو، جنسی فعل کے سبب جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا چاہے پہلا کفارہ ادا نہ کر پایا ہو۔

---

[1] جہاں غلام آزاد کرنا ممکن ہو اور استطاعت بھی ہو عام حالت میں پہلے غلام آزاد کرنا ہی واجب ہے۔

(۶) جنسی فعل کر لینے کی وجہ سے جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا چاہے پہلا کفارہ نہ ادا کیا ہو۔

(۷) ساٹھ محتاجوں میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ محتاج پوری عمر کے ہوں اگر بالکل چھوٹی عمر کے بچوں کو کھلایا، تو ان کے بدلے پھر پوری عمر کے محتاجوں کو کھلانا ضروری ہے۔

(۸) کھانا کھلانے کے بجائے غلہ دینا بھی جائز ہے[1] اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمت ادا کر دی جائے۔

(۹) محتاجوں کو کھانا کھلانے میں اپنے عام معیار کا لحاظ رکھے نہ زیادہ بڑھیا واجب ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ سوکھی روٹی ہی دے دی جائے۔

(۱۰) اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں تسلسل نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں کفارہ صحیح ہو جائے گا۔

(۱۱) اگر ایک ہی محتاج کو ساٹھ دن تک صبح و شام کھانا دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ اور یہی صورت غلہ یا اس کی قیمت دینے میں بھی ہے۔

فدیہ

جو شخص بڑھاپے کے باعث انتہائی کمزور ہو گیا ہو یا ایسی شدید بیماری میں

---

[1] غلہ صدقۂ فطر کے بقدر دینا واجب ہے۔ اس سے کم دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ صدقۂ فطر کی مقدار صفحہ ۱۲۱ پر دیکھیے۔

میں مبتلا ہو کہ بظاہر صحت مند ہونے کی توقع جاتی رہی ہو اور وہ روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو شریعت نے ایسے لوگوں کو رخصت دی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو فدیہ ادا کر دیں، فدیہ میں کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے، غلّہ بھی دیا جا سکتا ہے اور غلّے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

فدیہ کی مقدار

ایک فقیر کو صدقۂ فطر[1] کے بقدر غلہ دینا۔ یا اتنے غلّے کی قیمت ادا کر دینا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ہر روزے کے بدلے صبح و شام دونوں وقت کسی محتاج کو کھانا کھلا دیں، کھانا کھلانے میں اپنے کھانے پینے کے عام معیار کو سامنے رکھ کر اوسط درجے کا کھانا کھلائیں یا دیں۔

فدیہ کے مسائل

(۱) فدیہ ادا کرنے کے باوجود اگر مریض کی صحت خدا کے فضل سے بحال ہو جائے تو روزوں کی قضا واجب ہے اور جو فدیہ ادا کیا جا چکا ہے، اس کا اجر و ثواب بھی خدا عطا فرمائے گا۔

(۲) کسی کے ذمّے کچھ قضا کے روزے تھے، مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ان کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اگر ان قضا روزوں کا سارا فدیہ چھوڑے ہوئے ایک تہائی مال[2] کے بقدر ہے تو فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور

---

[1] صدقۂ فطر کا بیان صفحہ ۱۲۱ پر دیکھیے۔

[2] تجہیز و تکفین کے سارے معقول مصارف کرنے اور اگر قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچا اس کی تہائی مراد ہے۔

اگر فدیہ کی قیمت زیادہ بن رہی ہے اور تہائی مال کی مقدار کم ہے تب تہائی مال سے زائد فدیہ میں ادا کرنا اسی وقت جائز ہے جب وارث برضاورغبت اس کی اجازت دیں، البتہ اس صورت میں بھی نابالغ وارثوں کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۳) اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور وارث بطور خود چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تب بھی درست ہے اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ فدیہ کو قبول فرمالے اور روزوں کا مواخذہ نہ فرمائے۔

(۴) ہر وقت کی نماز کا فدیہ بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک روزے کا ہے اور یہ خیال رہے کہ دن میں پانچ فرض نمازیں ہیں اور ایک وتر کی واجب نماز لہٰذا چھ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

(۵) کسی کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں اور وہ مرتے وقت وصیت کر جائے کہ اس کے مال میں سے نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اس کے احکام بھی وہی ہیں جو روزے کے فدیے کے ہیں۔

(۶) مرنے والے کی طرف سے اگر وارث روزے رکھ لیں یا اس کی قضا نمازیں پڑھ لیں، تو یہ درست نہیں۔

(۷) معمولی سی بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ قضا کرنا اور یہ خیال کرنا کہ پھر قضا رکھ لیں گے یا فدیہ ادا کر کے یہ سمجھنا کہ روزہ کا حق ادا ہو گیا صحیح نہیں رمضان کا روزہ اسی صورت میں چھوڑے جب واقعی روزہ رکھنے کی سکت نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جس شخص نے رمضان کا کوئی ایک روزہ بھی کسی عذر اور بیماری کے بغیر چھوڑ

دیا تو عمر بھر کے روزے رکھنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی"[1]

---

[1] ترمذی، ابوداؤد۔

روزوں کے متفرق احکام و آداب

(۱) جو لوگ کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور ہوں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کھلم کھلا نہ کھائیں اور بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

(۲) جن لوگوں میں وہ ساری شرائط موجود ہوں جن کے ہوتے روزہ رکھنا صحیح بھی ہے اور واجب بھی۔ پھر کسی وجہ سے ان کا روزہ فاسد ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہیں اور کھانے پینے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں۔

(۳) کوئی مسافر نصف النہار کے بعد اپنے گھر پہنچ جائے یا کہیں قیام کا ارادہ کر لے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے۔ اسی طرح کوئی خاتون اگر نصف النہار کے بعد حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔

(۴) اگر کوئی شخص قصداً روزہ فاسد کر دے، یا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ رات باقی ہے صبح صادق کے بعد کھانا کھا لے، تو اس کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے۔

(۵) اگر بچہ نصف النہار کے بعد بالغ ہوجائے، یا کوئی غیر مسلم ایمان لے آئے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک روزہ دار کی طرح کھانے پینے وغیرہ سے رُکا رہے۔

(۶) اگر روزہ رکھنے کے بعد کسی خاتون کو حیض آجائے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا لیکن اس کے لیے بھی مستحب یہی ہے کہ روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے سے اجتناب کرے۔

نفلی روزوں کی فضیلت و مسائل

ماہ شوال کے چھ روزے

ان روزوں کو عرف عام میں شش عید کے روزے کہا جاتا ہے، حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس نے شوال میں چھ روزے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزے رکھے۔" [1]

نیز آپ نے فرمایا ہے۔

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا گویا کہ آج ہی اس کی ماں

---

[1] مسلم، ابوداؤد، الترغیب۔

نے اس کو جنم دیا ہے۔" ؎۱

(۱) یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ روزے عید کے بعد لگاتار رکھے جائیں لگاتار بھی رکھے جا سکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی رکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) یہ بہتر ہے کہ شوال کی دوسری تاریخ سے ان روزوں کی ابتدا کر دی جائے لیکن ضروری نہیں۔ پورے مہینے میں جس طرح بھی سہولت ہو چھ روزے رکھ لیے جائیں۔

یوم عاشورہ کا روزہ

محرم کی دسویں تاریخ کو یوم عاشورہ کہتے ہیں اس دن مکے کے قریش بھی روزہ رکھتے تھے اور خانۂ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے، اور اس روزے کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے، اس کے بعد جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی تاکید فرمائی کہ روزہ رکھیں۔

"حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (یعنی محرم کی دسویں تاریخ) کا روزہ رکھتے دیکھا، تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا "تمہارے نزدیک اس دن کی کیا خاص اہمیت ہے کہ تم اس دن روزہ رکھتے ہو؟"

؎۱ مسلم، ابوداؤد۔

ان لوگوں نے جواب دیا "ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اسی دن خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو نجات بخشی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے خدا کے اس احسان کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا تھا، پس ہم بھی (اسی لیے) اس دن کا روزہ رکھتے ہیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "موسیٰ (علیہ السلام) سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں (کہ اس دن روزہ رکھیں) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا" [1]

بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے۔ تاکہ اس دن کی فضیلت بھی حاصل رہے اور یہود کے ساتھ مشابہت بھی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھنے لگے اور صحابہ کو بھی رکھنے کی تاکید فرماتے، تو صحابہ نے آپؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں" (ہم روزہ رکھتے ہیں تو ان کے ساتھ تشابہ ہوتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا "جب اگلا سال آئے گا تو انشاء اللہ ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے"

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ

---

[1] بخاری، مسلم۔

علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ [1]

یوم عرفہ کا روزہ

حج کے مہینے کی نویں تاریخ کو یوم عرفہ کہتے ہیں، حدیث میں اس دن کے روزے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

"میں خدا کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ کا روزہ آنے والے سال اور گزرے ہوئے سال دونوں کے لیے کفارہ قرار پائے گا۔" [2]

نیز آپؐ نے فرمایا۔

"عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا اجر و ثواب ایک ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔" [3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روزے کا بہت اہتمام فرماتے تھے، یوم عرفہ سے پہلے کے آٹھ دنوں میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"دنوں میں کسی دن کی عبادت بھی خدا کو اتنی محبوب نہیں ہے جتنی ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے میں محبوب ہے، اس عشرے کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کی نفل نماز شب قدر کے نوافل جیسے ہیں۔"

---

[1] مسلم۔
[2] جامع ترمذی۔
[3] الترغیب۔

ایامِ بیض کے روزے

ایامِ بیض سے مراد ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ ر تاریخ ہے، یہ چاندنی کے خاص دن ہیں اسی لیے ان کو ایامِ بیض کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت قتادہ بن ملحان کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تاکید فرماتے تھے کہ ہم ایامِ بیض یعنی مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھا کریں، اور فرماتے تھے کہ یہ تین روزے اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔"[1]

پیر اور جمعرات کا روزہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔"[2]

اور امت کو ترغیب دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اعمال کی ایک پیشی پیر اور جمعرات کو ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزے سے ہوں۔"[3]

---

[1] ابوداؤد، نسائی۔

[2] جامع ترمذی، نسائی۔

[3] جامع ترمذی۔

ایک بار صحابہ نے آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تو ارشاد فرمایا۔

"اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا"[1]

نفلی روزوں کے متفرق مسائل

(۱) نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد واجب ہو جاتا ہے اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے یا فاسد کر دیا جائے تو اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) نفل روزہ بھی بغیر کسی عذر کے توڑنا جائز نہیں البتہ نفل روزہ فرض روزے کے مقابلے میں معمولی عذر کی وجہ سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر کسی نے روزہ دار کی دعوت کی اور یہ خیال ہے کہ مہمان کے نہ کھانے سے میزبان ناراض ہو جائے گا۔ یا وہ مہمان کے بغیر کھانے کے لیے آمادہ نہ ہو یا میزبان کی دل شکنی کا خیال ہو تو اس صورت میں روزہ توڑنا جائز ہے۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ اس کی قضا رکھ لے۔

(۴) خواتین کے لیے رمضان کے روزوں کے سوا دوسرا کوئی بھی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کسی خاتون نے رکھ لیا ہے اور شوہر روزہ توڑنے کا حکم دے تو توڑ دینا ضروری ہے پھر اس روزے کی قضا بھی شوہر کی اجازت ہی سے رکھے

(۵) اگر کوئی شخص ان دنوں کے روزوں کی نذر مانے جن میں روزے رکھنا

---

[1] مسلم۔

حرام ہیں مثلاً عید الفطر یا عید الاضحےٰ کے ایام تو اس کو چاہیئے کہ ان کے بجائے دوسرے دنوں کے رکھے۔

(۶) اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا اور اس کے یہاں مہمان آگیا اور خیال یہ ہے کہ اس نے مہمان کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ خفا ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے۔

(۷) کسی نے عید کے دن کے روزے کی نیت کی اور روزہ رکھ بھی لیا، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ روزہ توڑ دے۔ اور اس روزے کی قضا بھی نہیں ہے

(۸) رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا درست نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر ہاں جو شخص اس دن روزہ رکھتا ہو وہ رکھ لے" [1]

---

[1] بخاری۔

نمازِ تراویح کا بیان

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے، ترویحہ کے معنی ہیں آرام لینے کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا، لیکن اصطلاح میں ترویحہ سے مراد وہ جلسۂ استراحت ہے جو رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی مسنون نماز کے دوران ہر چار رکعت کے بعد کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس بیس رکعت نماز کے دوران پانچ تراویح کرتے ہیں۔ اس لیے اس مسنون نماز کو تراویح کہنے لگے۔

نمازِ تراویح کا حکم

نماز تراویح سنت مؤکدہ[1] ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا اہتمام فرمایا، اور صحابۂ کرام نے بھی، جو شخص کسی عذر کے بغیر تراویح کی نماز ترک کرے گا گنہگار ہوگا، یہ جس طرح مردوں کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہے[2] پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ نماز تراویح روزے کے "تابع نہیں ہے یعنی یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ تراویح پڑھنا صرف اسی کے لیے ضروری ہے جس

---

[1] روافض کے علاوہ ہر مسلک والے تراویح کو مسنون مانتے ہیں۔

[2] درمختار۔

نے دن میں روزہ رکھا ہو، دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں جو لوگ کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں، مثلاً کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو اور روزہ نہ رکھے یا خواتین حیض و نفاس کی حالت میں ہوں اور تراویح کے وقت پاک صاف ہو جائیں تو ان کو نماز تراویح پڑھنا چاہیئے، نہ پڑھنے کی صورت میں ترک سنّت کا گناہ لازم آئے گا۔

نمازِ تراویح کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رمضان المبارک کے استقبال میں نہایت ہی مؤثر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ

"اس مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کی راتوں میں اللہ نے تراویح پڑھنا نفل[1] کر دیا ہے۔

جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک کام اپنے دل کی خوشی سے بطور خود کرے گا تو اس کا اجر و ثواب اتنا ہو گا جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کا ہوتا ہے[2]"

ایک اور حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

"جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی، اللہ اس کے وہ سارے گناہ معاف کر دے گا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں"[3]

---

[1] یعنی فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اس لیے کہ فرض کے مقابلے میں نفل، سنت اور مستحب سب کے لیے بولا جاتا ہے۔

[2] مشکوٰۃ روایت سلمان فارسیؓ پوری روایت کافی طویل ہے یہاں اس کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا گیا ہے۔

[3] متفق علیہ۔

نمازِ تراویح کا وقت

جس شب میں رمضان کا چاند نظر آئے اسی شب سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تو تراویح چھوڑ دی جائے۔ تراویح پڑھنے کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اگر کوئی عشاء کی نماز سے پہلے تراویح پڑھ لے تو وہ نماز تراویح نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھی اور بعد میں کسی وجہ سے نمازِ عشاء کا دہرانا ضروری ہوگیا تو اس صورت میں تراویح کی نماز بھی دہرانی چاہیے۔ [1]

البتہ مستحب یہ ہے کہ تہائی رات کے بعد نصف شب سے پہلے پہلے تراویح کی نماز پڑھ لی جائے، نصف شب کے بعد پڑھنا جائز تو ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ [2]

---

[1] دُرِ مختار۔

[2] تراویح کے لیے افضل وقت کونسا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اول وقت کو افضل بتاتے ہوئے بڑی وزنی دلیل دی ہے۔

"اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لیے افضل وقت کونسا ہے؟ عشاء کا وقت یا تہجد کا؟ دلائل دونوں کے حق میں ہیں، مگر زیادہ تر رجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے، البتہ اول وقت کی ترجیح کے لیے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اول وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں، آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں امت کے سوادِ اعظم کا اس ثواب سے محروم رہ جانا ایک بڑا نقصان ہے اور اگر چند صلحاء آخر وقت کی فضیلت سے مستفید ہونے کی خاطر اول وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام الناس یا تو ان صلحاء سے بدگمان ہوں یا ان کی عدم شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں یا پھر، ان صلحاء کو اپنی تہجد خوانی کا ڈھنڈورا پیٹنے پر مجبور ہونا پڑے (رسائل و مسائل حصہ دوم ص۲۳۱ زیر عنوان رمضان میں قیام اللیل)۔

نمازِ تراویح کی جماعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین شب، یعنی ۲۳، ۲۵، اور ۲۷ رمضان کو تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی، پھر جب آپؐ نے صحابہ کا ذوق و شوق اور کثرت دیکھی تو آپ مسجد میں تشریف نہ لائے، صحابہ سمجھے کہ شاید آپ سو گئے اور دروازے پر آکر آپ کو پکارنے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔

خدا تمہارے ذوق و شوق میں اور برکت دے، میں اس اندیشہ کی وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم ہمیشہ اس کی پابندی نہ کر سکو گے، اس لیے تم اس کو اپنے گھروں میں پڑھتے رہو، کیونکہ نفلی نمازوں کا گھروں میں پڑھنا زیادہ باعث اجر و برکت ہے[1]۔

اس حدیث سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب جماعت سے تراویح پڑھائیں اور آپؐ کے بعد بھی صحابۂ کرام متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اس کی باقاعدہ جماعت قائم فرمائی۔ اور صحابۂ کرام نے بسر و چشم اس کو قبول کیا۔

اور بعد میں کسی خلیفہ نے اس سنت کی مخالفت نہیں کی، اسی لیے علماء نے تراویح کی جماعت کو سنت مؤکدہ کفایہ کہا ہے۔[2]

---

[1] صحیح مسلم۔

[2] نماز تراویح کی جماعت کے بارے میں کسی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے سوال کیا تھا، (باقی بر صفحہ ۱۹۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸) اس سوال کا جواب مولانا نے بڑی وضاحت سے دیا ہے، جس سے اس مسئلے پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے، ذیل میں ہم یہ سوال وجواب نقل کرتے ہیں۔

سوال:۔ علمار کرام بالعموم یہ کہتے ہیں کہ تراویح اول وقت میں (عشار کی نماز کے متصل) پڑھنا افضل ہے اور تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی محلہ میں تراویح باجماعت نہ ادا کی جائے، تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور دو آدمیوں نے بھی مل کر مسجد میں تراویح پڑھ لی تو سب کے ذمے سے ترک جماعت کا گناہ ساقط ہو جائے گا کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں کیوں ایسا نہیں ہوا؟ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہوگا؟ کیا وہ سب تراویح باجماعت نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ گار تھے؟

جواب:۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ لوگ یا تو اپنے گھروں میں پڑھتے تھے یا مسجد میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اس تفرق کو دور کر کے سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا اس کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس یہ حجت موجود تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سلسلے کو یہ فرما کر بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گزر جانے کے بعد اس امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا، کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پا سکے گی۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ کے تفقہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے، کہ انہوں نے شارع کے منشا کو ٹھیک ٹھیک سمجھا، اور امت میں ایک صحیح طریقے کو رائج فرما دیا، صحابہ کرام میں سے کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسر وچشم اسے قبول کرنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے شارع کے اس منشا کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا، کہ "اسے فرض کے درجے میں نہ کر دیا جائے"۔ (باقی برصفحہ ۲۰۰)

نمازِ تراویح کی رکعتیں
نمازِ تراویح کی بیس[2] رکعتیں اجماعِ صحابہ سے ثابت ہیں[1]، بیس[2] رکعتیں اس طرح

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۹) چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا خود تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے، جب کہ وہ عبدالرحمٰن بن عبد کے ساتھ نکلے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہارِ تحسین فرمایا۔ اور

علماء جس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس بستی یا محلے میں سرے سے نمازِ تراویح باجماعت ادا ہی نہ کی جائے اس محلے کے سب لوگ گناہگار ہیں وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنت الاسلام ہے جو عہدِ خلافتِ راشدہ سے تمام امت میں جاری ہے۔ ایک ایسے اسلامی طریقے کو چھوڑ دینا اور بستی کے سارے ہی مسلمانوں کا مل کر چھوڑ دینا، دین سے ایک عام بے پرواہی کی علامت ہے، جس کو اگر گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقوں کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

[1] اہلِ حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے، ان کے نزدیک بیس رکعتیں پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔ بیشتر روایتیں آٹھ رکعت ہی کی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی کی جس روایت میں بیس[2] رکعتوں کا ذکر ہے وہ ان حدیثوں کے مقابلے میں ضعیف ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اس مسئلے کے ذیل میں جو اظہارِ خیال فرمایا ہے نیچے ہم اس کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاقِ صحابہ بیس[2] رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، اور اسی کی پیروی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی ہوئی، تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہ رضی کا اس میں اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ تینوں بیس ہی رکعت کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا

(باقی بر ص۲۰۱)

پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھا جائے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے ہاں اگر محسوس ہو کہ مقتدی اتنی دیر تک بیٹھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں تو پھر اتنی دیر تک نہ بیٹھنا چاہیئے، بلکہ مقتدیوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

ترویحہ میں کیا عمل کیا جائے؟

ترویحہ کی حالت میں نمازی کو اختیار ہے چاہے خاموش بیٹھا رہے چاہے ذکر و تسبیح پڑھے، چاہے نوافل پڑھے، مکہ معظمہ میں لوگ بیٹھنے کے بجائے بیت اللہ کا طواف کیا کرتے ہیں، مدینہ منورہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے ہیں، بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ترویحہ میں یہ دعا پڑھی جائے۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۰) بھی اسی کے حق میں ہے، داؤد ظاہریؒ نے بھی اسی کو سنت ثابتہ تسلیم کیا ہے۔
حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اور حضرت ابان بن عثمانؓ نے بیس کے بجائے ۳۶ رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ شروع کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی، بلکہ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مکہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہل مکہ کے برابر ہو جائیں، اہل مکہ کا قاعدہ یہ تھا، کہ وہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کعبے کا طواف کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں، یہ طریقہ چونکہ اہل مدینہ میں رائج تھا، اور امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے بعد میں ۲۰ کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ، رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ۔

"پاک و برتر ہے حکومت و اقتدار والا، پاک و برتر ہے عزت و عظمت ہیبت و قدرت اور بڑائی اور دبدبے والا، پاک و برتر ہے وہ زندہ جاوید بادشاہ جو نہ سوتا ہے اور نہ اس کے لیے فنا ہے، نہایت پاک عیوب سے منزہ، ہمارا پروردگار اور فرشتوں کا پروردگار اور جبریل کا پروردگار،

اے اللہ! ہم کو دوزخ کے عذاب سے نجات دے۔ اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے۔"

نمازِ وتر کی جماعت

صرف رمضان المبارک ہی میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا ثابت ہے۔ رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز نہیں[1]۔ جو لوگ تنہا نمازِ تراویح ادا کریں وہ بھی نمازِ وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں لیکن جو لوگ تراویح کی نماز جماعت سے ادا کریں ان کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ وتر کی نماز جماعت سے پڑھیں۔ تراویح کی سنت نماز جماعت سے پڑھ کر وتر کی واجب نماز تنہا پڑھنا درست نہیں اور اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھ کر سو جائے اور پھر تہجد کے وقت وتر نماز تنہا ادا کرے۔

---

[1] ولا یصلی الوتر بجماعۃ فی غیر شھر رمضان علیہ اجماع المسلمین۔ ہدایہ جلد ا ص[۱۲۱]۔

تراویح میں ختم قرآن

رمضان المبارک کے پورے مہینے میں ایک بار پورا قرآن پاک ترتیب وار ختم کرنا سنت مؤکدہ[1] ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبریل امین کو پورا قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ دنیا سے رخصت ہوئے اس سال آپؐ نے دو بار حضرت جبریلؑ کو قرآن سنایا، آپؐ نے امت کو بھی اس پر ابھارا اور فرمایا۔

"روزہ اور قرآن مومن کے لیے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے (پینے) اور دوسری لذتوں سے روکا تو یہ رُکا رہا، تو اے میرے رب! اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا، کہ میں نے اس کو شب میں سونے (اور آرام کرنے) سے روکا اور یہ اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر تیرے حضور کھڑا قرآن پڑھتا رہا تو اے پروردگار! اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ پس اللہ ان دونوں ہی سفارشوں کو شرف قبول عطا فرمائے گا"[2]

صحابہ کرام نے بھی اس سنت کا اہتمام فرمایا، حضرت عمرؓ تراویح کی نماز باجماعت اور اس میں پورا قرآن سنانے کے لیے خاص اہتمام فرماتے تھے، دین سے عام بے پروائی، لوگوں کی کاہلی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا ہرگز صحیح نہیں۔ کم از کم ایک بار تو تراویح میں پورا قرآن سننے اور سنانے کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے اور جہاں لوگوں میں

---

[1] علم الفقہ جلد ۲ صـ۵۳۔

[2] مشکوٰۃ روایت عبداللہ ابن عمرؓ۔

ذوق شوق اور عبادت وتلاوت سے شغف محسوس ہو اور یہ بھی اطمینان ہو کہ قرآن پاک پوری دلبستگی اور آداب کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھا جا سکے گا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو پھر ایک سے زیادہ ختم کرنا بھی پسندیدہ ہے۔ البتہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ختم کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس صورت میں تلاوت قرآن کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے اور آپ نے امت کو ترتیل اور ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"قرآن پڑھنے والے سے قیامت کے روز کہا جائے گا جس ٹھہراؤ اور خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں بنا سنوار کر قرآن پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔"[1]

ضروری ہدایت

اگر کہیں نماز و قرآن سے شغف میں غیر معمولی کمی ہو، اور مقتدیوں کی عام سستی اور غفلت کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر تراویح میں پورا قرآن پڑھنے کا اہتمام ہوا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر یہ بار ہوگا بلکہ ممکن ہے لوگ مسجد میں آنے اور جماعت سے

---

[1] جامع ترمذی۔

نماز پڑھنے سے بھی کترانے لگیں تو بہتر یہی ہے کہ ختم قرآن کا اہتمام نہ کیا جائے اور مختصر سورتوں ہی سے تراویح پڑھی جائیں، تاکہ تراویح کی سنت سے لوگ محروم نہ رہیں۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے تراویح میں محض قرآن سننے اور سنانے ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں اور تراویح کی نماز میں سکون واعتدال اور خشوع وخضوع کا بالکل لحاظ نہیں کرتے حالانکہ یہی نماز کی جان ہے، اور پھر ایسے لوگ جب رواں دواں پورا قرآن تراویح میں سُن لیتے ہیں تو پھر نہ وہ تراویح پڑھنے کا کوئی اہتمام کرتے ہیں اور نہ جماعت سے تراویح پڑھنے کے لیے مسجد آنا ضروری سمجھتے ہیں یہ طرزِ فکر انتہائی غلط ہے اگر پورا قرآن سننے کا موقع نہ ہو یا قرآن ختم ہو جائے تب بھی تراویح کی نماز ایک مستقل سنت مؤکدہ ہے، اس کے اہتمام میں ہرگز غفلت نہ برتنا چاہیئے۔

نمازِ تراویح کے متفرق مسائل

(۱) تراویح کی نیت اس طرح کرے۔ نیت کرتا ہوں کہ دو رکعت سنّت تراویح پڑھوں، اور پھر دو دو رکعت کی نیت باندھ کر دس سلام کے ساتھ بیس رکعتیں پوری کرے۔

(۲) نمازِ وتر تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر کچھ تراویح پڑھنے سے پہلے یا ساری ہی تراویح پڑھنے سے پہلے نمازِ وتر پڑھ لی تو یہ بھی جائز ہے۔[1]

(۳) اگر کوئی مقتدی دیر سے آیا اور اس کی کچھ تراویح باقی تھیں کہ امام وتروں کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس کو چاہیئے کہ وتر امام کے پیچھے پڑھ لے اور اپنی باقی تراویح

---

[1] علم الفقہ جلد ۲ صفحہ ۵۲ بحوالہ درمختار۔

بعد میں پوری کرلے۔

(۴) چار رکعت پڑھنے کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھ کر آرام لینا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی گئی ہیں، لیکن جہاں اتنی دیر بیٹھنا مقتدیوں پر بار ہونے لگے تو وہاں تھوڑی دیر بیٹھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص عشاء کے فرض پڑھے بغیر تراویح کی نماز میں شریک ہوگیا تو اس کی تراویح درست نہیں، اس کو چاہیئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح ادا کرے، تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد ہے۔

(۶) اگر کسی نے عشاء کے فرض جماعت سے ادا کیے اور تراویح جماعت سے نہیں پڑھیں، اس کے لیے بھی وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

(۷) اگر کسی شخص نے عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ بھی نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

(۸) کسی عذر کے بغیر بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے البتہ کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

(۹) جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو اس کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

(۱۰) فرض اور وتر ایک امام پڑھائے اور تراویح دوسرا امام پڑھائے یہ بھی درست ہے، حضرت عمرؓ فرض اور وتر کی امامت خود فرماتے اور تراویح کی امامت حضرت ابی ابن کعبؓ فرمایا کرتے تھے۔

(۱۱) اگر تراویح کی کچھ رکعتیں کسی وجہ سے فاسد ہوجائیں اور ان کا اعادہ کرنا

ضروری ہے تو پھر قرآن پاک کے اُس حصہ کا اعادہ بھی کرنا چاہیئے جو فاسد شدہ رکعتوں میں پڑھا گیا تاکہ ختم قرآن صحیح نماز میں ہو۔

(۱۲) تراویح میں دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے امام کھڑا ہوگیا اگر تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے یاد آجائے یا کوئی مقتدی یاد دلادے تو امام کو چاہیئے کہ قعدہ میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ یہ دونوں رکعتیں صحیح ہوں گی اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار رکعتیں پوری کرے، اس صورت میں یہ چار رکعتیں دو رکعتوں کے قائم مقام ہوں گی۔

(۱۳) اگر امام دوسری رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھا پھر بھولے سے تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اس صورت میں چار رکعتیں پوری کیں تو یہ چاروں رکعتیں صحیح شمار ہوں گی۔

(۱۴) جن لوگوں نے عشار کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو ان کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا، درست نہیں، اس لیے کہ فرض نماز تنہا پڑھ کر نفل نماز جماعت سے پڑھنا، نفل کو فرض پر ترجیح دینا ہے اور یہ درست نہیں۔

(۱۵) جو لوگ فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جنہوں نے فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی ہے، اس لیے کہ یہ لوگ ان لوگوں کے تابع سمجھے جائیں گے جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح باجماعت پڑھ رہے ہیں۔

(۱۶) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے جب عشار کے فرض ہو چکے ہوں تو وہ

پہلے فرض ادا کرے پھر تراویح میں شریک ہو، اور تراویح کی جو رکعتیں رہ گئی ہوں ان کو یا تو ان وقفوں میں ادا کرے جب امام ترویحہ میں بیٹھا ہو، یا پھر وتر جماعت سے ادا کر کے بعد میں پڑھے۔

(۱۷) جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو، بلکہ تنہا پڑھی ہو وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر وتر با جماعت پڑھ رہے ہوں۔

(۱۸) آج کے دور میں شبینہ کا جس طرح رواج ہو گیا ہے یہ ہرگز درست نہیں پڑھنے والا انتہائی بے پروائی کے ساتھ رواں دواں پڑھتا جاتا ہے، نہ اس کو صحیح اور غلط کی فکر ہوتی ہے، نہ آدابِ تلاوت کا لحاظ ہوتا ہے، اور نہ اس سے اثر لینے اور ہدایت پانے ہی کا کوئی احساس ہوتا ہے بس کسی طرح ختم کر لینا ہی مقصود ہوتا ہے، پھر مقتدیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بس چند افراد تو امام کے پیچھے ضرور کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر چند رکعت ہی امام کے ساتھ پڑھتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ پیچھے بیٹھے گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں کچھ بیٹھے بیٹھے داد دیتے رہتے ہیں، کچھ تفریحی انداز کی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن نہیں ہے جس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی اور جس کو صحابہ کرام سنت سمجھ کر اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ درحقیقت قرآن کے ساتھ صریح ظلم ہے اور قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن کے مقصد کے ساتھ مذاق ہے۔ (قرآن میں ہے)۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص: ۲۹)

"یہ کتاب خیر و برکت کا سرچشمہ ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے اس سے سبق لیں۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے ہرگز قرآن کو نہیں سمجھا۔" [۱]

اور قرآن پاک میں ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۔ (الاعراف ۲۰۴)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ سنو۔"

(۱۹) تراویح میں قرآن پڑھنے کی صورت میں ضروری ہے کہ کسی ایک سورت کے شروع میں بلند آواز سے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی جائے اس لیے کہ یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے، پورا قرآن ختم کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو پڑھے اور پورا قرآن سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو سُنے اس لیے حافظ کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے پڑھے۔ عام طور پر لوگ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں، جس سورت کے شروع میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ کبھی تو قصداً کسی دوسری سورت کے شروع پڑھنا چاہیے تاکہ لوگ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" کے شروع میں پڑھنا ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ البتہ جن لوگوں کے نزدیک یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے ان کو تراویح میں ہر سورت کے شروع میں پڑھنا چاہیے۔ [۲]

---

[۱] جامع ترمذی۔

[۲] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے، البتہ امام شافعیؒ اور مکے اور کوفے کے قرار کا مسلک یہ ہے کہ یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے۔

(۲۰) تراویح میں بعض لوگ تین بار "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" پڑھتے ہیں، ایسا کرنا مکروہ ہے۔ [1]

(۲۱) قرآن پاک ختم کرنے کے بعد فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا کو یہ بات بہت پسند ہے کہ جب ایک بار قرآن شریف ختم ہو تو فوراً دوسرا شروع کر دیا جائے۔ اور دوسرا شروع کر کے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پہنچا کر چھوڑ دیا جائے۔ [2]

---

[1] بعض فقہا نے قل ہو اللہ کو تین بار پڑھنا مستحب کہا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب قرآن نماز میں نہ پڑھا جا رہا ہو بلکہ نماز کے باہر پڑھا جا رہا ہو۔

[2] علم الفقہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔

تلاوت قرآن کے آداب

(۱) طہارت

قرآن پاک خدائے قدوس کا نہایت مقدس اور باعظمت کلام ہے۔ اس کو ہاتھ لگانے اور تلاوت کرنے کے لیے طہارت اور پاکی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا چاہیئے۔ اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (واقعہ: ۷۹)

"اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہیں"

حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں قرآن سننا تو جائز ہے لیکن پڑھنا اور چھونا ممنوع ہے، وضو کے بغیر پڑھنا تو صحیح ہے لیکن چھونا مناسب نہیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، با وضو بھی اور بے وضو بھی البتہ جنابت کی حالت میں کبھی تلاوت نہ فرماتے، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"حیض والی خاتون اور جنابت والا آدمی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے"

(یعنی اس طرح کی حالت میں قرآن کی تلاوت قطعاً ممنوع ہے)۔ [1]

(۲) اخلاصِ نیّت

قرآن کی تلاوت کے وقت اخلاصِ نیّت کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تلاوت کا مقصود محض خدا کی رضا اور طلبِ ہدایت ہونا چاہیئے۔ لوگوں کو اس کے ذریعے اپنا گرویدہ بنانا، اپنی خوش الحانی پر فخر کرنا اور اپنی دینداری کی دھاک بٹھانا اور لوگوں سے تعریف کی خواہش رکھنا انتہائی گھٹیا مقاصد ہیں، ایسے ریاکار اور دنیا پرست قرآن خواں قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں پاتے، یہ لوگ قرآن کی تلاوت کے باوجود قرآن سے بہت دُور رہتے ہیں دراصل جو دل گندے خیالات، رکیک جذبات اور ناپاک مقاصد سے آلودہ ہے اس کو نہ تو قرآن کی عظمت و شان کا شعور ہی ہو سکتا ہے اور نہ وہ قرآن کے معارف و حقائق میں سے حصہ پا سکتا ہے۔

(۳) پابندی اور التزام

قرآن کی تلاوت روزانہ پابندی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ بلا ناغہ روزانہ قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے، تلاوت کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے لیکن موزوں ترین وقت صبح کا وقت ہے، اور جن خوش نصیبوں کو خدا نے حفظِ قرآن کی سعادت سے نوازا ہے ان کے لیئے تو روزانہ پڑھتے رہنا اس لیے بھی نہایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن یاد نہیں رہتا اور قرآن پاک یاد کرنے کے بعد بھول جانا سخت گناہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

[1] ترمذی۔

"جس شخص نے قرآن پاک حفظ کیا اور پھر بھلا دیا وہ قیامت کے دن جذامی ہوگا۔" [1]

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

"قرآن کی فکر رکھو ورنہ یہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔ خدا کی قسم، جس طرح وہ اونٹ بھاگ جاتا ہے، جس کی رسی ڈھیلی ہوگئی ہو ٹھیک اسی طرح معمولی غفلت اور لاپرواہی کے باعث قرآن سینے سے نکل بھاگتا ہے۔" [2]

اور آپؐ نے پابندی کے ساتھ تلاوت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

"جس شخص نے قرآن پڑھا، اور روزانہ پابندی سے اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے بھری ہوئی زنبیل کہ اس کی خوشبو چار سُو مہک رہی ہے۔ اور جس نے قرآن پڑھا لیکن وہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے بھری ہوئی بوتل کہ اس کو ڈاٹ لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔" [3]

اور آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا ارشاد ہے۔

"جو بندہ قرآن کی تلاوت میں اس قدر مشغول ہو کہ وہ مجھ سے دعا مانگنے کا موقع نہ پا سکے، تو میں اس کو مانگنے بغیر ہی مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔" [4]

---

[1] صحیح البخاری۔

[2] صحیح مسلم۔

[3] ترمذی۔

[4] ترمذی۔

(۴) تجوید و خوش الحانی

ذوق و شوق، خوش الحانی اور وابستگی کے ساتھ تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے[۱] اس سے پڑھنے والے کے دل پر بھی اثر پڑتا ہے اور سننے والے کو بھی روحانی سرور ملتا اور جذبۂ عمل بیدار ہوتا ہے۔ بے دلی کے ساتھ رواں دواں پڑھنا اور صحت حروف کا لحاظ نہ رکھنا مکروہ ہے، اور صحیح صحیح قرآن پڑھنا واجب ہے، ش، ق، اور ح، خ، ع، غ، ۶ وغیرہ حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنا، اور وقف کرنے اور ملانے کے مواقع کو جاننا اور صاف صاف ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھنا ضروری ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

آپؐ کا ارشاد ہے۔

"اپنے لہجہ اور حُسن آواز سے قرآن کو آراستہ کرو" [۱]

اور آپؐ نے فرمایا۔

"جو شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں" [۲]

---

[۱] ابوداؤد۔

[۲] لیکن اس کا لحاظ رہے کہ تصنع اور بناوٹ نہ ہونے لگے بلکہ فطری انداز میں سادگی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے تاکہ دل خدا کی طرف متوجہ رہے اور نمود و نمائش کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

[۳] دارمی۔

اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کے بے پایاں اجر و انعام کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور جس خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں قرآن کو بنا سنوار کر پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ، تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے" [1]

البتہ پڑھنے میں گانے کی طرح زیر و بم پیدا کرنا، اور راگ کا سا انداز اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۵) قرآن سننے کا اہتمام۔

قرآن پاک ذوق و شوق کے ساتھ سننے کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ حضرت خالدؓ بن معدان کی روایت ہے کہ قرآن سننے کا اجر و ثواب قرآن پڑھنے سے دوہرا ہے۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں سے قرآن پڑھوا کر سننے کا بہت شوق تھا ایک بار حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے آپؐ نے فرمایا "مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ"۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کہا "حضورؐ میں آپ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟

ارشاد فرمایا "ہاں سناؤ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا پڑھے اور میں سنوں"۔

---

[1] دارمی۔

[2] دارمی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی جب آپ اس آیت پر پہنچے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء : ۴۱)

"پھر سوچو اس وقت کیا سماں ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے"

تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بس، بس، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں[۱]

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت عمدہ قرآن پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ کی ملاقات جب کبھی حضرت ابوموسیٰؓ سے ہوتی تو فرماتے ابوموسیٰ! ہمیں اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ۔ اور ابوموسیٰؓ قرآن کی تلاوت شروع فرمادیتے، [۲]

(۶) غور و تدبر

قرآن پاک کو سوچ سمجھ کر پڑھنے، اس کی آیات پر غور و فکر کرنے اور اس کی دعوت و حکمت کو جذب کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اور اسی عزم و جذبے کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیئے کہ اس کے اوامر کو بجالانا ہے اور اس کی نواہی سے بچنا ہے خدا کی کتاب اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ اس کو سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کے

---

[۱] صحیح بخاری۔

[۲] سنن دارمی۔

احکام پر عمل کیا جائے۔ خدا کا ارشاد ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص: ۲۹)

"کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور اہل عقل اس سے نصیحت حاصل کریں"

قرآن پاک کا تھوڑا سا حصہ سوچ سمجھ کر پڑھنا، اور اس کے حقائق و معارف پر غور و فکر کرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی غفلت کے ساتھ فر فر کئی کئی سورتیں پڑھ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے، "میں "القارعۃ" اور "القدر" جیسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ "البقرۃ" اور "آل عمران" جیسی بڑی بڑی سورتیں فر فر پڑھ جاؤں اور کچھ نہ سمجھوں"

نفل نمازوں میں یہ بھی جائز ہے کہ آدمی ایک ہی سورت یا ایک ہی آیت بار بار دُہرائے اس کی حقیقت و حکمت پر غور کرے، اس سے اثر لے، اور والہانہ انداز میں بار بار اس کی تلاوت کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ساری رات

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)

"اے خدا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تُو انتہائی زبردست اور نہایت حکمت والا ہے"

ایک ہی آیت کو دُہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

بلاشبہ قرآن کے معانی اور مطالب جانے بغیر تلاوت کا بھی بڑا اجر و ثواب

ہے لیکن وہ تلاوت جس سے قلب و روح کا تزکیہ ہو اور جذبہ عمل میں بیداری پیدا ہو، وہی ہے جو سمجھ سمجھ کر کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جس طرح لوہا پانی سے زنگ آلود ہو جاتا ہے:

صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر اس زنگ کو دور کرنے کی تدبیر کیا ہے؟

فرمایا (۱) کثرت سے موت کو یاد کرنا اور (۲) قرآن کی تلاوت کرنا"

تورات میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ اگر سفر کے دوران تیرے بھائی کا خط تیرے پاس سرراہ پہنچتا ہے تو تو ٹھہر جاتا ہے، یا راستے سے الگ ہو بیٹھتا ہے، اور اس کے ایک ایک حرف کو پڑھتا اور اس میں غور و فکر کرتا ہے، اور یہ کتاب (تورات) میرا فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھا ہے کہ تو اس میں برابر غور و فکر کرتا رہے اور اس کے احکام پر عمل کرے، لیکن تو تو اس سے انکار کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے جی چراتا ہے، اور اگر پڑھتا بھی ہے تو غور و فکر نہیں کرتا [1]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] کیمیائے سعادت ص۱۱۲۔

"اسلاف کو پورا پورا یقین تھا کہ قرآن خدا کا فرمان ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے، چنانچہ وہ راتوں کو غور و فکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عمل کرتے، تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بس اس کے الفاظ پڑھتے ہو، اس کے حروف کے زیر و زبر درست کرتے ہو اور رہا عمل تو اس میں نہایت سست اور کوتاہ ہو۔"[1]

(۷) یکسوئی اور عاجزی

تلاوت نہایت توجہ، آمادگی، عاجزی اور یکسوئی کے ساتھ قبلہ رُخ بیٹھ کر کرنا چاہیئے۔ تلاوت کے وقت غفلت اور لاپرواہی کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھنا، یا کسی سے بات چیت کرنا یا کسی اور ایسے کام میں مشغول ہونا جس سے یکسوئی میں خلل پڑتا ہو مکروہ ہے۔

(۸) تعوذ و تسمیہ

تلاوت شروع کرتے وقت پہلے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

پڑھنی چاہیئے۔ اور اگر درمیان میں کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرنی پڑ جائے یا کسی سے بات چیت کرنی پڑ جائے تو پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ دہرا لینی چاہیئے۔ نماز سے باہر ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور سورۂ "برآءۃ"[2] کے شروع میں بسم اللہ

---

[1] کیمیائے سعادت۔

[2] براءۃ من اللہ ورسولہ دسویں پارے کی دوسری سورت ہے جس کو سورہ توبہ بھی کہتے ہیں۔

نہ پڑھنی چاہیئے۔

(۹) اثر پذیری

تلاوت کے دوران قرآن پاک کے مضامین سے اثر لینا اور اس اثر کا اظہار کرنا مستحب ہے[1] جب انعام و اکرام اور جنت کی لازوال نعمتوں کا ذکر ہو اور مومنوں کو رحمت و مغفرت، فلاح و کامرانی اور خدا کی رضا اور دیدار کی بشارت دی جا رہی ہو تو مسرت اور سرور کا اظہار کرنا چاہیئے اور جب خدا کے غیظ و غضب، جہنم کے ہولناک عذاب، اہل جہنم کی چیخ پکار، کا تذکرہ اور انذار و عید کی آیتیں پڑھی جا رہی ہوں، تو اس پر غمزدہ ہو کر رونا چاہیئے، اور اگر اپنی غفلت اور سنگدلی کی وجہ سے رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے اور غمزدہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کے وقت جب عذاب کی آیت پڑھتے تو حق تعالےٰ سے رحمت کی دعا فرماتے اور جب تنزیہہ کی آیت پڑھتے تو تسبیح پڑھتے[2]

(۱۰) آواز میں اعتدال

تلاوت نہ تو انتہائی بلند آواز سے کیجئے اور نہ نہایت پست آواز سے بلکہ اعتدال کے ساتھ ایسی درمیانی آواز سے پڑھیئے کہ آپ کا دل بھی متوجہ رہے اور سننے والوں کے شوق میں بھی اضافہ ہو اور غور و فکر کی طرف بھی طبیعت متوجہ ہو، قرآن کی ہدایت ہے۔

---

[1] لیکن اس معاملہ میں آدمی کو انتہائی ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیئے اس لیے ریاکاری آدمی کے اچھے سے اچھے عمل کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔

[2] کیمیائے سعادت ص ۱۱۵۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ

سَبِيْلًاo (بنی اسرائیل : ۱۱۰)

"اور اپنی نماز میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھیئے اور نہ بالکل ہی دھیرے دھیرے، بلکہ دونوں کے درمیان کا انداز اختیار کیجیے۔"

(۱۱) تہجد میں تلاوت کا اہتمام

تلاوت جب بھی کی جائے، باعث اجر و ثواب ہے اور موجب رشد و ہدایت ہے۔ لیکن خاص طور پر تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت، تلاوت قرآن کی فضیلت کا سب سے اونچا درجہ ہے اور مومن کی تمنا ہونی ہی چاہیئے کہ وہ فضیلت کا اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے، تہجد کا سہانا وقت، نمود و نمائش، اور ریا و تصنّع سے حفاظت اور خلوص وللّٰہیت اور توجہ الی اللہ کا موزوں ترین وقت ہے بالخصوص جب آدمی خدا کے حضور کھڑے ہو کر یکسوئی اور طبیعت کی آمادگی کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تہجد میں طویل تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے۔

(۱۲) قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام

نماز کے باہر تلاوت کرتے وقت قرآن پاک میں دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ موجب اجر و ثواب ہے، ایک تو تلاوت کا اجر اور دوسرے کلام اللہ کو ہاتھ میں لینے اور اس کی زیارت سے مشرف ہونے کا اجر و ثواب ہے۔[۱]

(۱۳) ترتیب کا لحاظ

قرآن پاک کی سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہیئے جس ترتیب سے قرآن میں ہیں،

---

[۱] الاتقان۔

البتہ چھوٹے بچوں کی سہولت کے پیش نظر اس ترتیب کے خلاف پڑھنا، جیسا کہ آج کل پارہ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ پڑھایا جاتا ہے، کسی کراہت کے بغیر جائز ہے[1] البتہ آیتوں کو قرآن کی ترتیب کے خلاف پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے[2]

(۱۴) دلبستگی اور انہماک

بعض لوگ دوسرے وظائف اور اذکار تو بڑی دل بستگی اور انہماک کے ساتھ پڑھتے ہیں اور گھنٹوں پڑھتے رہتے ہیں، لیکن قرآن کی تلاوت اس دلبستگی اور انہماک کے ساتھ نہیں کرتے، درانحالیکہ قرآن سے بڑھ کر نہ کوئی ذکر و وظیفہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری عبادت ہو سکتی ہے، قرآن پر دوسرے اذکار و وظائف کو ترجیح دینا فہم دین کی کوتاہی بھی ہے اور گناہ بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بندہ تلاوت قرآن ہی کے ذریعہ خدا سے سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے[3]

اور آپؐ نے فرمایا

"میری امت کے لیے سب سے بہتر عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔"

(۱۵) تلاوت کے بعد دُعا

تلاوت سے فارغ ہو کر ذیل کی دُعا پڑھنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

---

[1] ردالمختار۔

[2] الاتقان۔

[3] کیمیائے سعادت۔ تلاوت قرآن کا بیان۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّ هُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

"اے اللہ! تو مجھ پر اس قرآن کے طفیل میں رحم فرما، اور اس کو میرا پیشوا، میرے لیے نور و ہدایت اور رحمت بنا دے، اے اللہ میں اس میں سے جو کچھ بھول جاؤں وہ مجھ کو یاد کرا دے، اور جو کچھ میں نہیں جانتا وہ سکھا دے اور مجھے توفیق دے کہ میں شب کے کچھ حصے میں اور صبح و شام اس کی تلاوت کروں اور اے رب العالمین تو اس کو میرے حق میں حجت بنا دے"

سجدۂ تلاوت کا حکم

قرآن مجید میں چودہ[1] آیتیں ایسی ہیں جن کو پڑھنے یا سننے سے سجدہ کرنا واجب[2] ہو جاتا ہے، چاہے پوری آیت پڑھی جائے یا سجدہ والے لفظ[3] کو اگلے پچھلے الفاظ کے ساتھ پڑھ لیا جائے، سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک گوشے میں بیٹھ کر آہ و بکا کرنے لگتا ہے، اور کہتا ہے ہائے افسوس! آدم کی اولاد کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت کا مستحق ہو گیا، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا اور میں نارِ جہنم کا مستحق ہوا۔"[4]

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک پندرہ آیتیں ہیں وہ سورہ الحج آیت ،، پر بھی سجدہ کرتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم دوم)

[2] امام ابو حنیفہ کے علاوہ بعض دوسرے علماء کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔

[3] ایسے الفاظ کو نمایاں کرنے کے لیے ان پر خط کھینچ دیا گیا ہے، دیکھیے سجدۂ تلاوت کے مقامات صفحہ ۲۲۵

[4] صحیح مسلم، ابن ماجہ۔

سجدۂ تلاوت کے مقامات

قرآن پاک میں ایسی آیتیں جن کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے کل چودہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سورۂ الاعراف آیت ۲۰۶۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝

"بلاشبہ جو فرشتے آپ کے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے غرور میں آکر اس کی بندگی بجالانے سے منہ نہیں موڑتے، وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں"

(۲) سورۂ الرعد آیت ۱۵۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝

"اور اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز چار و ناچار سجدہ کر رہی ہے، اور ان سب چیزوں کے سایے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں"

(۳) سورۂ النحل آیت ۴۹، ۵۰۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۔

"اور اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے

جاں دار اور فرشتے ، اور وہ ہرگز (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے ، وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں ، اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے "

(۴) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹ -

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

"اور وہ (قرآن سُن کر) روتے ہوئے مُنہ کے بل گر جاتے ہیں اور اُن کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے "

(۵) سورۂ مریم آیت ۵۸ -

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝

"جب ان کو رحمٰن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے "

(۶) سورۂ الحج آیت ۱۸ -

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے حضور وہ ساری مخلوق سربسجود ہے ، جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ، اور سورج اور چاند اور تارے ، اور پہاڑ ، اور درخت ، اور جانور اور بہت سے انسان ، اور بہت سے وہ لوگ بھی جن پر

خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل و خوار کر دے اُسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

(۷) سورۂ الفرقان آیت ۶۰۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۔

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن کو سجدہ کرو، تو جواب دیتے ہیں یہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا بس جسے تم کہہ دو اسی کو ہم سجدہ کرنے لگ جائیں، اور یہ دعوت ان کی نفرت اور بیزاری میں اُلٹا اور اضافہ کر دیتی ہے۔"

(۸) سورۂ النمل آیت ۲۵ - ۲۶

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝

"کہ وہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

(۹) سورۂ الم السجدہ آیت ۱۵

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ۔

"ہماری آیات پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں یہ آیتیں سُنا کر جب

یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور غرور میں آکر (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے۔"

(۱۰) سورہ صٓ آیت ۲۴-۲۵۔

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

"اور (داؤد علیہ السلام) سجدہ میں گر گئے اور رجوع کر لیا، تب ہم نے ان کا وہ قصور معاف کر دیا، اور یقیناً ہمارے ہاں ان کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔"

(۱۱) سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۸۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝

"اگر یہ لوگ غرور میں دین سے بے نیازی دکھائیں تو (کوئی پروا نہیں) جو فرشتے آپ کے رب کے حضور مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔"

(۱۲) سورہ النجم آیت ۶۲۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝

"پس اللہ ہی کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔"

(۱۳) سورہ انشقاق آیت ۲۰-۲۱

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝

" تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ۔

(۱۴) سورۃ العلق، آیت ۱۹

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔

" اور سجدہ کرو اور (خدا کا) قرب حاصل کرو "

سجدۂ تلاوت کی شرطیں

سجدۂ تلاوت کی چار شرطیں ہیں[1]

طہارت

★ جسم کا پاک ہونا، یعنی جسم نجاست غلیظہ سے بھی پاک ہو اور نجاست حکمیہ سے بھی اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا ضروری ہے ۔

★ لباس کا پاک ہونا ۔

★ جائے نماز کا پاک ہونا ۔

● ستر چھپانا

● قبلے کی طرف مُنہ کرنا ۔

● سجدہ تلاوت[2] کی نیت کرنا ۔

---

[1] یعنی جو شرطیں نماز کی ہیں وہی سجدۂ تلاوت کی ہیں اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے انہیں چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے ۔

[2] جمہور کا مسلک تو یہی ہے ، لیکن بعض علماء کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لیے (باقی برصفحہ ۲۳۰)

لیکن یہ نیت کرنا شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کا ہے اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

قبلہ رو کھڑے ہو کر سجدۂ تلاوت کی نیت کرے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائے

(بقیہ حاشیہ ص۲۲۹) باوضو ہونا ضروری نہیں۔ علماء اہل حدیث کے نزدیک باوضو سجدۂ تلاوت کرنا افضل تو۔ لیکن بغیر وضو کیے بھی جائز ہے (اسلامی تعلیم حصہ دوم)

علامہ مودودی سجدۂ تلاوت کی شرائط میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس سجدے کے لیے جمہور انہی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، یعنی باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور نماز کی طرح سجدے میں سر زمین پر رکھنا۔ لیکن جتنی احادیث سجود تلاوت کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سن کر جو شخص جہاں جس حال میں ہو جھک جائے۔ خواہ باوضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو۔ سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدہ تلاوت کرتے تھے۔ اور ابو عبدالرحمن سلمی کے متعلق فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ راستہ چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے جاتے تھے اور اگر کہیں آیت سجدہ آجاتی تو بس سر جھکا لیتے تھے۔ خواہ باوضو ہوں یا نہ ہوں اور خواہ قبلہ رخ بھی ہوں یا نہ ہوں ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جمہور کے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ جمہور کی تائید میں کوئی سنت ثابتہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جمہور کے مسلک کے خلاف تھا۔ (تفہیم القرآن جلد دوم الاعراف حاشیہ ۱۵۷)۔

اور سجدہ کرکے اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہو، نہ تشہد میں بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ سلام پھیرنے کی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے جب تم سجدہ کی آیت پر پہنچو تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاؤ اور جب سجدے سے سر اٹھاؤ تو اللہ اکبر کہو[1] سجدہ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتے ہیں لیکن کھڑے ہو کر سجدے میں جانا مستحب ہے۔

سجدۂ تلاوت میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے علاوہ دوسری مسنون تسبیحیں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فرض نمازوں میں سجدہ تلاوت کیا جائے تو

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔

پڑھنا بہتر ہے۔

البتہ نوافل میں اور نماز کے باہر آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت میں جو تسبیحیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہ تسبیح پڑھ سکتے ہیں۔

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ[2]

"میرا چہرہ اس کے حضور سجدہ ریز ہے جس نے اُسے حسین پیدا کیا، اور اس میں کان اور آنکھ وضع کیے۔ یہ سب اسی کی طاقت و قوت سے ہے۔ اللہ رفعت و برکت کا سرچشمہ ہے، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔"

---

[1] ابوداؤد۔

[2] ابوداؤد، ترمذی وغیرہ۔

سجدۂ تلاوت کے مسائل

(۱) سجدۂ تلاوت انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے، حیض و نفاس والی خاتون اور نابالغ بچے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اور ایسے مدہوش پر بھی واجب نہیں ہے جس کی مدہوشی پر ایک دن رات سے زیادہ گزر چکا ہو۔

(۲) اگر سجدہ کی آیت نماز میں پڑھی ہے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے تاخیر کرنے کی اجازت نہیں اور اگر نماز کے باہر سجدہ کی آیت پڑھی تو بہتر یہی ہے کہ فوراً سجدہ کر لیا جائے، لیکن تاخیر میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ بلاوجہ زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(۳) اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو یہ سجدہ اسی نماز میں ادا کرنا واجب ہے، نہ نماز کے باہر ادا کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ سجدہ ادا کرنا جائز ہے، اگر کوئی آیت سجدہ پڑھ کر اس نماز میں سجدہ کرنا بھول جائے تو اس کی تلافی کی شکل اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ و استغفار کرے ہاں اگر یہ نماز فاسد ہو جائے تو یہ سجدہ نماز کے باہر ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو یا پڑھا رہا ہو اور کسی دوسرے سے آیت سنے چاہے وہ دوسرا آدمی نماز میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر تو اس سننے والے نمازی یا امام پر نماز کی حالت میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، نماز سے فارغ ہو کر سجدۂ تلاوت ادا کرے اور اگر نماز ہی میں یہ سجدہ ادا کر لیا، تو سجدہ بھی ادا نہ ہوگا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

(۵) اگر مقتدی نے سجدہ کی آیت پڑھی تو نہ امام پر سجدہ واجب ہے، اور نہ مقتدی پر۔

(۶) کسی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی لیکن وہ اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب امام سجدہ ادا کر چکا تھا۔ اب اگر اس کو وہ رکعت مل گئی جس میں امام نے سجدۂ تلاوت ادا کیا ہے تو گویا اس کا سجدہ بھی ادا ہو گیا۔ اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو پھر نماز کے بعد اس کو سجدہ ادا کرنا چاہیئے۔

(۷) اگر کوئی شخص دل میں سجدہ کی آیت پڑھے، زبان سے نہ پڑھے یا صرف لکھے، یا ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۸) اگر ایک ہی جگہ پر سجدہ کی ایک ہی آیت بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور اگر کئی آیتیں پڑھیں تو جتنی آیتیں پڑھیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور ایک ہی آیت کئی مجلسوں میں پڑھی تو جتنی مجلسوں میں پڑھی اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

(۹) تلاوت کے وقت اگر سننے والے سب باوضو بیٹھے ہوں اور سجدہ کر سکتے ہوں تو سجدہ کی آیت زور سے پڑھنی بہتر ہے لیکن بے وضو بیٹھے ہوں یا سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیت آہستہ پڑھی جائے ہو سکتا ہے کہ دوسرے وقت یہ لوگ سجدہ کرنا بھول جائیں اور گنہگار رہوں۔

(۱۰) سجدہ کی آیت سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھنا، اور سجدہ کی آیت کو چھوڑ دینا، یا پوری سورت پڑھنا اور سجدہ کی آخری آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

(۱۱) سری نمازوں میں ایسی سورت نہ پڑھنی چاہیئے جس میں سجدہ ہو اور اسی طرح جمعہ، عیدین یا کسی اور ایسی نماز میں جہاں غیر معمولی مجمع ہو۔ اس لیے کہ مقتدیوں

کو اشتباہ ہوگا اور نماز میں خلل پڑے گا۔[1]

(۱۲) بعض ناواقف لوگ قرآن پڑھتے پڑھتے آیت سجدہ پر پہنچتے ہیں تو اسی قرآن پر سجدہ کر لیتے ہیں، اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا، سجدۂ تلاوت اسی طریقہ سے ادا کرنا چاہیئے جو اوپر بتایا گیا ہے۔

---

[1] علم الفقہ جلد دوم ص ۱۸۱ بحوالہ بحر الرائق۔

جب آدمی کوئی اچھی خبر سنے، یا خدا کی رحمت سے کوئی بڑی نعمت پائے یا کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہو، یا کوئی تمنا اور آرزو پوری ہو جائے، یا کوئی آفت اور مصیبت مل جائے، تو خدا کے اس فضل و کرم پر سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ سجدہ نماز کے فوراً بعد نہ کرنا چاہیئے ورنہ ناواقف لوگ یا تو اس کو نماز کا حصہ تصور کرنے لگیں گے یا اس کو سنت قرار دے کر اہتمام کرنے لگیں گے۔ یہ نماز سے الگ ایک سجدہ ہے اس لیے اس کو اس طرح ادا کرنا چاہیئے کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو حضرت ابوبکر رضؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قسم کی خوشی حاصل ہوتی، یا کوئی خوش خبری ملتی تو آپ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ فرماتے[1]

بعض ناواقف لوگ وتر کی نماز کے بعد دو سجدے کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا مکروہ ہے اور چونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔

---

[1] ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

اعتکاف کے معنیٰ

لغت میں کسی جگہ میں بند ہونے یا کسی مقام پر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیوی تعلقات و مصروفیات اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر مسجد میں قیام کرے۔

اعتکاف کی حکمت

اعتکاف یہی تو ہے کہ آدمی دنیوی کاروبار اور تعلقات سے کٹ کر، اور گھریلو مصروفیات اور نفسانی خواہشات سے بے تعلق ہو کر، فکر و عمل کی ساری قوتوں کو خدا کی یاد اور عبادت میں لگا دے، اور سب سے الگ تھلگ ہو کر خدا کے پڑوس میں جا بسے، اس عمل سے ایک طرف تو آدمی ہر طرح کی لغو باتوں اور برائیوں سے محفوظ رہے گا، دوسری طرف خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا۔ اس کا قرب حاصل ہوگا اور اس کی یاد اور عبادت سے قلب و روح کو سکون اور سرور محسوس ہوگا اور چند دن کی تربیت کا یہ عمل اس کے دل پر یہ گہرا اثر چھوڑے گا کہ دنیا میں اپنے چاروں طرف ہر طرح کی رنگینیاں اور دل کشیاں دیکھنے کے باوجود خدا سے تعلق مضبوط رکھے، خدا کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں قلب و روح کا سکون و سرور

تلاش کرے۔ اور پوری زندگی خدا کی بندگی میں گزارے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ واجب[1]، مستحب[2]، سنت[3] مؤکدہ۔

اعتکافِ واجب

نذر کا اعتکاف واجب ہے کسی نے یونہی اعتکاف کی نذر مانی یا کسی شرط کے ساتھ مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گیا یا میرا فلاں کام پورا ہوا تو میں اعتکاف کروں گا تو یہ اعتکاف واجب ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اعتکافِ مستحب

رمضان کے اخیر عشرے کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جاتا ہے وہ مستحب ہے چاہے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں کیا جائے یا کسی اور مہینے میں۔

اعتکاف سنتِ مؤکدہ

رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے یعنی مسلمانوں کو بحیثیت اجتماعی اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ احادیث میں اس کی انتہائی تاکید کی گئی ہے، خود قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ (البقرۃ: ۱۸۷)

"اور اپنی عورتوں سے نہ ملو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے وفات تک آپ کا یہی معمول رہا اور ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکاف نہ کر سکے تھے تو

دوسرے سال آپ نے بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ اس لیے اگر مسلمان اس سنت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دیں گے تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور اگر بستی کے کچھ افراد بھی اس سنت کا اہتمام کرلیں تو چونکہ یہ سنت کفایہ ہے اس لیے چند افراد کا اعتکاف سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا لیکن یہ بات انتہائی تشویش کی ہوگی کہ پورا مسلمان معاشرہ اس سے بے پروائی برتنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب سنت بالکل ہی مٹ جائے۔

حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ وفات تک آپ کا یہی معمول رہا، اور آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کا اہتمام کرتی رہیں" [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال آپ اعتکاف نہ فرما سکے، تو اگلے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا" [2]

افضل ترین اعتکاف

سب سے افضل اعتکاف وہ ہے جو خانۂ کعبہ یعنی مسجد الحرام میں کیا جائے اس

---

[1] بخاری، مسلم۔

[2] جامع ترمذی۔

کے بعد وہ اعتکاف جو مسجد نبویؐ میں کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس اعتکاف کا درجہ ہے جو بیت المقدس میں کیا جائے، اس کے بعد وہ اعتکاف افضل ہے جو کسی جامع مسجد میں کیا جائے جہاں باقاعدہ جماعت سے نماز ہوتی ہو، اور اگر جامع مسجد میں نماز باجماعت کا نظم نہ ہو تو محلہ کی مسجد میں جہاں نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اور اس کے بعد ہر اُس مسجد میں اعتکاف افضل ہے جہاں نماز باجماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہوں۔

اِعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی چار[۴] شرطیں ہیں، جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں۔

(۱) مسجد میں قیام

مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کریں۔ چاہے اس مسجد میں پنجوقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہو یا نہ ہو[۱]۔ مسجد میں قیام کے بغیر مردوں کا اعتکاف صحیح نہیں۔

(۲) نیت

نیت جس طرح دوسری عبادات کے لیے شرط ہے اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص یونہی نیت کیے بغیر مسجد

---

[۱] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یہ ضروری ہے کہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کیا جائے لیکن امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے اور اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔ (ردالمحتار)

میں ٹھہرا رہا، تو یہ ٹھہرنا اعتکاف نہ ہوگا۔ پھر یہ ظاہر ہی ہے کہ عبادت کی نیت اسی وقت صحیح ہے جب نیت کرنے والا مسلمان ہو اور ہوشمند بھی ہو، دیوانے اور مجنون کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) حدث اکبر سے پاک ہونا

یعنی مرد اور خواتین حالت جنابت سے پاک ہوں اور خواتین حیض و نفاس سے پاک ہوں۔

(۴) روزہ

اعتکاف میں روزے سے رہنا بھی شرط ہے، البتہ یہ صرف اعتکافِ واجب کے لیے شرط ہے، اعتکاف مستحب میں روزہ شرط نہیں اور اعتکاف مسنون میں روزہ اس لیے شرط نہیں ہے کہ وہ تو رمضان میں ہوتا ہی ہے۔

اعتکاف کے احکام

(۱) اعتکاف واجب کم سے کم ایک دن بھر کا ہو سکتا ہے، اس سے کم کا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اعتکاف واجب میں روزے سے رہنا ضروری ہے۔

(۲) اعتکاف واجب میں روزے سے ہونا ضروری تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ روزہ خاص اعتکاف کی غرض سے ہی رکھا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی نذر مانے تو یہ اعتکاف صحیح ہوگا اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے لیے کافی ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اعتکاف میں جو روزہ رکھا ہے وہ واجب ہو نفلی روزہ نہ ہو۔

(۳) اعتکاف واجب میں کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں جتنے دن کی چاہے نیت کرلے۔

(۴) اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، چند منٹ کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

(۵) اعتکاف واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کرلے تب بھی اس کے لیے روزہ رکھنا لازم ہے، اور اسی لیے اگر کوئی شخص صرف شب کے اعتکاف کی نیت کرے گا تو وہ لغو سمجھی جائے گی۔

(۶) اگر کوئی شخص شب و روز کے اعتکاف کی نیت کرے یا کئی دن کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس میں شب داخل سمجھی جائے گی اور شب میں بھی اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر ہو تو پھر صرف دن بھر کا اعتکاف ہی واجب ہوگا۔ شب کا اعتکاف واجب نہ ہوگا۔

(۷) خواتین کو اپنے گھر ہی میں اعتکاف کرنا چاہیئے، خواتین کے لیے کسی مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے، خواتین گھر میں عام طور پر جس جگہ نماز پڑھتی ہوں اسی مقام پر پردہ وغیرہ ڈال کر اعتکاف کے لیے مخصوص کرلینا چاہیئے۔

(۸) رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف چونکہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے اس لیے کوشش کرنی چاہیئے کہ بستی میں کچھ لوگ ضرور اس کا اہتمام کریں، اگر اس سنت کے اہتمام سے ایسی غفلت برتی گئی کہ بستی میں کسی نے اکبھی اعتکاف نہ کیا تو بستی کے سارے ہی لوگ گنہ گار ہوں گے۔

(۹) اگر اعتکاف واجب کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب

ہے، البتہ اعتکاف مسنون اور اعتکاف مستحب کی قضا واجب نہیں۔

اعتکافِ مسنون کا وقت

اعتکافِ مسنون کا وقت رمضان کی بیس تاریخ کو غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عید کا چاند نظر آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، چاہے چاند ۲۹ رمضان کو نظر آئے یا ۳۰ رمضان کو ہر حال میں اعتکافِ مسنون پورا ہو جائے گا۔

اعتکاف کرنے والا ۲۰ رمضان کو غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے مسجد میں پہنچ جائے اور اگر کوئی خاتون ہو تو اسی وقت گھر میں اُس خاص جگہ پر پہنچ جائے جو اس نے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے بنا رکھی ہو اور عید کا چاند نظر آنے تک اپنے معتکف سے باہر نہ نکلے، البتہ کسی طبعی ضرورت مثلاً پیشاب پاخانے یا غسلِ جنابت وغیرہ یا شرعی ضرورت مثلاً نماز جمعہ وغیرہ کے لیے معتکف سے باہر جانا جائز ہے لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپس اپنے معتکف میں پہنچ جانا ضروری ہے۔

اعتکافِ واجب کا وقت

اعتکافِ واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اس کا کم سے کم وقت ایک دن ہے، ایک دن سے کم چند گھنٹے کے لیے اعتکاف کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ روزے کا وقت طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔

اعتکافِ مستحب کا وقت

نفلی اعتکاف کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط ہے، اور نہ کوئی خاص مہینہ اور وقت جب بھی آدمی مسجد میں ہو، اعتکافِ مستحب کی نیت کر سکتا ہے اور مسجد میں چاہے چند لمحے ہی قیام رہے اعتکاف کا اجر و ثواب ملے گا۔

حالتِ اعتکاف میں مستحب امور

❶ ذکر و فکر کرنا، دینی مسائل اور معلومات پر غور کرنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا۔

❷ قرآن پاک کی تلاوت کرنا، قرآن میں تدبّر کرنا۔

❸ درود شریف یا دوسرے اذکار کا اہتمام کرنا۔

❹ دینی علوم پڑھنا پڑھانا۔

❺ وعظ و تبلیغ اور نصیحت و تلقین میں مصروف ہونا۔

❻ دینی تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہونا۔

وہ امور جو اعتکاف میں جائز ہیں

(۱) پیشاب اور قضائے حاجت کے لیے اپنے معتکف سے باہر جانا جائز ہے، مگر یہ لحاظ رہے کہ یہ ضرورتیں اس جگہ پوری کی جائیں جو معتکف سے قریب ہو، اگر مسجد سے قریب کوئی جگہ نہ ہو یا جگہ تو ہو لیکن بے پردگی یا گندگی کی وجہ سے ضرورت رفع نہ ہو تو پھر اپنے گھر رفع حاجت کے لیے جانے کی اجازت ہے۔

(۲) غسل جنابت کے لیے بھی معتکف سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ ہاں اگر مسجد میں غسل کا انتظام ہو تو پھر مسجد ہی میں غسل کرنا چاہیے۔

(۳) کھانے کے لیے بھی مسجد سے باہر جانا جائز ہے اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو۔ اور اگر کھانا لانے والا ہو تو پھر مسجد ہی میں کھانا ضروری ہے۔

(۴) جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے بھی معتکف سے باہر جانا جائز ہے اور کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جماعت نہ ہوتی ہو تو پنجوقتہ نماز کے لیے جانا بھی

جائز ہے۔

(۵) کہیں آگ لگ جائے یا کوئی شخص کنوئیں میں ڈوب رہا ہو یا کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو یا مسجد گر جانے کا خوف ہو تو ان صورتوں میں معتکف سے باہر آنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، لیکن اعتکاف بہر حال ٹوٹ جائے گا۔

(۶) اگر کوئی شخص کسی طبعی ضرورت مثلاً قضائے حاجت کے لیے معتکف سے نکلا یا شرعی ضرورت مثلاً نماز جمعہ کے لیے نکلا اور اس دوران اس نے کسی مریض کی عیادت کی یا نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تو کوئی حرج نہیں۔

(۷) کسی بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے لیکن ضرورت پوری کر لینے کے بعد فوراً معتکف میں واپس آ جائے۔

(۸) جمعہ کی نماز کے لیے اتنی دیر پہلے جانا کہ اطمینان سے تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور جمعہ کی نماز کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے بعد کی سنتیں ادا کر لی جائیں جائز ہے اور اس وقت کا اندازہ معتکف کی رائے پر ہے۔

(۹) اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے یا کوئی زبردستی معتکف سے باہر روک لیا جائے تب بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی کو کوئی قرض خواہ باہر روک دے یا وہ شخص خود بیمار ہو جائے اور معتکف تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۱۱) اگر کوئی خرید و فروخت کرنے والا نہ ہو اور گھر میں کھانے کو نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ معتکف بقدر ضرورت خرید و فروخت کر لے۔

(۱۲) اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا بھی جائز ہے۔

(۱۳) اگر کسی معتکف نے اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کرلی تھی کہ نماز جنازہ کے لیے جاؤں گا تو نماز جنازہ کے لیے نکلنا جائز ہے اور نیت نہیں کی تھی تو جائز نہیں۔

(۱۴) حالت اعتکاف میں کسی کو کوئی دینی یا طبی مشورہ دینا، نکاح کرنا، سونا، اور آرام کرنا جائز ہے۔

وہ امور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں

(۱) حالت اعتکاف میں جنسی لذت حاصل کرنا، یا عورت سے بوس وکنار کرنا، ناجائز ہے، البتہ بوس وکنار وغیرہ سے اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

(۲) حالت اعتکاف میں کسی دنیوی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔

(۳) حالت اعتکاف میں بالکل خاموش بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، ذکر وفکر یا تلاوت وغیرہ میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(۴) مسجد میں خرید و فروخت کرنا، یا لڑنا جھگڑنا، غیبت کرنا یا اور کسی طرح کی بے ہودہ باتوں میں مصروف ہونا سب مکروہ ہے۔

(۵) کسی طبعی اور شرعی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جانا یا طبعی اور شرعی ضرورت سے باہر نکلنا اور پھر باہر ہی ٹھہر جانا جائز نہیں ہے اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے "لیلۃ القدر" اور "لیلۃ مبارکۃ" کہا ہے اور اس کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے، قرآن کا ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۔ (الدخان: ۳)

"بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۔ (القدر: ۱)

"بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر و عظمت والی رات میں نازل کیا ہے، جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

لیلۃ القدر کے معنی

قدر کے دو معنی ہیں۔

(۱) اندازہ کرنا، وقت معین کرنا اور فیصلہ کرنا، یعنی لیلۃ القدر وہ رات

ہے جس میں خدا ہر چیز کا صحیح اندازہ فرماتا ہے اس کا وقت معین کرتا ہے۔ احکام نازل فرماتا ہے، اور ہر چیز کی تقدیر مقرر فرماتا ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا۔ (الدخان ۴، ۵)

"اس رات میں تمام معاملات کے نہایت محکم فیصلے صادر کیے جاتے ہیں ہمارے یہاں سے حکم ہو کر۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ۔ (القدر: ۴)

"اس میں ملائکہ اور روح (یعنی جبریل امین) کا نزول ہوتا ہے جو اپنے رب کے حکم سے تمام امور انجام دینے کے لیے اترتے ہیں۔"

(۲) قدر کے دوسرے معنی ہیں عظمت اور بزرگی۔ یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس کو خدا کے نزدیک بڑی عظمت اور فضیلت حاصل ہے اور اس کی قدر و عظمت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ خدا نے اس میں قرآن جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی۔ اس سے زیادہ عظیم تر نعمت کا نہ انسان تصور کر سکتا ہے نہ آرزو۔ اسی خیر و برکت اور عظمت و فضیلت کی بنا پر قرآن نے اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے، یعنی اکیسویں[۲۱]، تیئیسویں[۲۳]، پچیسویں[۲۵]، ستائیسویں[۲۷]، اور انتیسویں[۲۹]

راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔" [۱]

اس رات کی واضح تعیین نہ کرنے کے بارے میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ فرماتے تھے۔" [۲]

اس شب میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔" [۳]

اور ارشاد فرمایا۔

---

[۱] صحیح بخاری۔
[۲] صحیح مسلم۔
[۳] شعب الایمان بیہقی۔

"لوگو! تم پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اور اس شب کی خیر و برکت سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔" [1]

لیلۃ القدر کی خاص دُعا

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یارسول اللہ! اگر کسی طرح مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو بتائیے میں اس رات میں خدا سے کیا دُعا کروں؟ ارشاد فرمایا۔ یہ پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ [2]

"اے اللہ تو بہت ہی معاف فرمانے والا اور بڑے ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔"

---

[1] ابن ماجہ۔

مسلمانوں پر جس سال روزے فرض ہوئے اُسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صدقۂ فطر بھی ادا کریں خدا کی فرض کی ہوئی عبادتوں کو بندہ تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام تو کرتا ہے لیکن پھر بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، روزے میں انسان سے جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں ان کی تلافی کے لیے شریعت نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ رمضان کے آخر میں صدقۂ فطر ادا کریں۔ اس سے ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی بھی ہو گی اور نادار مسلمان فراخی اور اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں بھی فراہم کر کے تمام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہو سکیں گے۔

ہر خوشحال مسلمان جس کے پاس اپنی ضرورتوں سے زیادہ اتنا مال ہو جس کی قیمت بقدر نصاب ہو جائے خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہ ہو، اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقۂ فطر عید سے دو ایک روز پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ نماز عید سے پہلے تو ادا کر ہی دینا چاہیئے۔ نماز عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے۔

اگر گیہوں دینا ہو تو ایک سیر تین چھٹانک دے۔
اور چَو یا جَو کا آٹا دینا ہو تو دو سیر چھ چھٹانک دے۔
چھوہارے یا منقّیٰ دینا چاہے تو وہ بھی دو سیر چھ چھٹانک دینا ہوں گے۔
صدقۂ فطر انہی لوگوں کو دینا چاہیئے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔[1]

---

[1] صدقۂ فطر کا تفصیلی بیان ص ۱۲۱ پر دیکھیے۔

کتاب الحج

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے، جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت وحکمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں، کفر و شرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندۂ مومن نے توحیدِ خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود، ایمان وتقویٰ، خلوص وللہیت، عشق ومحبت جاں نثاری اور فداکاری، ایثار و قربانی، بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات واعمال سے اسلام کی مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو اس سے توحید کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لیے ہر سال دور دراز سے توحید کے پروانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں، کبھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں، کبھی عرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے

ہیں، کبھی قربان گاہ میں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے عہدِ محبت استوار کرتے ہیں، اور اٹھتے بیٹھتے صبح و شام ایک ہی صدا سے حرم کی پوری فضا گونجتی ہے،

"اے اللہ تیرے دربار میں تیرے غلام حاضر ہیں، تعریف و حمد تیرا ہی حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں"

دراصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے کرنے ہی کا نام حج ہے۔

حج کے معنی

حج کے لغوی معنی ہیں، زیارت کا ارادہ کرنا، اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اور عبادات کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔

حج ایک جامع عبادت

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں، ایک بدنی عبادات جیسے نماز روزہ، اور ایک مالی عبادات جیسے صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مالی عبادت بھی ہے اور بدنی عبادت بھی۔ دوسری مستقل عبادات سے خلوص و تقویٰ، عجز و احتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں

بیک وقت یہ سارے جذبات ..کیفیات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لیے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن اسی مسجد کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے، اور عمر بھر دور دراز سے جس گھر کی طرف رُخ کر کے مومن نماز پڑھتا رہا ہے، حج میں مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عین اس مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔

روزہ جو نفس و اخلاق کے تزکیہ کا مؤثر اور لازمی ذریعہ ہے، اور جس میں مومن مرغوباتِ نفس سے دور رہ کر صبر و ثبات کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک اسی مجاہدے میں شب و روز بسر کرتا ہے، اور قلب و رُوح سے ایک ایک نقش کھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے، اور شب و روز توحید کی صدا لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ و زکوٰۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندہ مومن اپنے دل سے زر پرستی کے رکیک جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال، محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا اور اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہدِ وفا استوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس و اخلاق کا تزکیہ اور رُوحانی ارتقا کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حج واقعی حج ہو، محض ارکان

حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے رب کے حوالے کر دے اور مسلم حنیف بن جائے۔ حج کی سعادت درحقیقت خدا کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے، کہ اصلاحِ حال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کھوٹ اور نقص رہ جائے وہ ارکانِ حج اور مقاماتِ حج کی برکت سے دور ہو جائے اور وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے، ساتھ ہی حج حقیقتِ حال کی ایک کسوٹی بھی ہے کہ کس نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے اور کون موقع پانے کے باوجود محروم رہ گیا ہے، حج کے بعد کی زندگی اور اس کی سرگرمیاں واضح کر دیتی ہیں کہ کس کا حج واقعی حج ہے اور کون حج کے سارے ارکان ادا کرنے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم رہ گیا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کی توفیق پانے کے باوجود جو شخص اصلاحِ حال سے محروم رہ جائے، اس کے بارے میں بہت ہی کم توقع رہ جاتی ہے کہ کسی اور تدبیر سے اس کی اصلاحِ حال ہو سکے گی۔ اس لیے حج کا فریضہ ادا کرنے والے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات و احساسات اور ارادوں کا اچھی طرح جائزہ لے اور حج کے ایک ایک رکن اور عمل کو پورے اخلاص اور شعور کے ساتھ ادا کر کے حج سے وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے لیے حج فرض کیا گیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو بیت اللہ سے واپس آیا تھا لیکن اس کی زندگی پر حج کی چھاپ نہیں پڑھ سکی تھی، آپ نے اس سے دریافت فرمایا "تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"حضرت، حج بیت اللہ سے واپس آ رہا ہوں" مسافر نے جواب دیا۔

"کیا تم حج کر چکے ہو؟" حضرت نے حیرت سے دریافت کیا،

"جی ہاں، میں حج کر چکا ہوں" مسافر نے جواب دیا۔

حضرت نے پوچھا "جب تم حج کے ارادے سے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اس وقت تم نے گناہوں سے بھی کنارہ کر لیا تھا یا نہیں؟"

"حضرت! میں نے اس طرح تو نہیں سوچا تھا" مسافر نے جواب دیا۔

"تو پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں" پھر دریافت فرمایا "اس مبارک سفر میں تم نے جو جو منزلیں طے کیں اور جہاں جہاں راتوں کو مقام کیے تو کیا تم نے اس دوران قرب الٰہی کی منزلیں بھی طے کیں اور اس راہ کے مقامات بھی طے کیے؟"

"حضرت، اس کا تو مجھے دھیان بھی نہ تھا" مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو پھر تم نے نہ بیت اللہ کی طرف سفر کیا، اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی" پھر دریافت فرمایا "جب تم نے احرام باندھا، اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اتارے، تو کیا تم نے اس کے ساتھ ہی اپنی بُری عادتوں اور خصلتوں کو بھی اپنی زندگی سے اتار پھینکا تھا؟"

"حضرت اس طرح تو میں نے غور نہیں کیا تھا" مسافر نے صاف جواب دیا۔

"پھر تم نے احرام بھی کہاں باندھا!" حضرت نے پُرسوز لہجے میں فرمایا پھر پوچھا

جب تم میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے، تو تمہیں مشاہدے کا کشف بھی حاصل ہوا یا نہیں؟

"حضرت میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟" مسافر نے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ تم نے میدانِ عرفات میں خدا سے مناجات کرتے وقت اپنے اندر یہ کیفیت بھی محسوس کی کہ گویا تمہارا رب تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو؟"

"حضرت یہ کیفیت تو نہیں تھی" مسافر نے وضاحت کی۔

"پھر تو گویا تم عرفات میں پہنچے ہی نہیں" حضرت نے پر جوش لہجے میں کہا اور پھر دریافت فرمایا "اچھا یہ بتاؤ جب تم مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی چھوڑا یا نہیں؟"

"حضرت میں نے اس پر تو کوئی توجہ نہیں کی" مسافر نے جواب دیا۔

"تو پھر تم مزدلفے بھی نہیں گئے" حضرت نے فرمایا۔ اس کے بعد پوچھا "اچھا یہ بتاؤ جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس دوران تم جمالِ الٰہی کے جلوے اور کرشمے بھی دیکھے؟"

"حضرت اس سے تو میں محروم رہا" مسافر نے کہا۔

"تو پھر تم نے طواف کیا ہی نہیں؟" اور پھر دریافت فرمایا "جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے صفا اور مروہ اور ان کے درمیان سعی کی حکمت و حقیقت اور اس کے مقصود کو بھی پایا؟"

"حضرت اس کا تو مجھے شعور نہیں" مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے ابھی سعی بھی نہیں کی ہے، پھر دریافت فرمایا جب تم

قربان گاہ میں پہنچ کر قربانی کے جانور کو قربان کیا، اس وقت تم نے اپنے نفس اور اور اس کی خواہشات کو بھی راہِ خدا میں قربان کیا یا نہیں ؟"

"حضرت اس طرف تو میرا دھیان نہیں گیا" مسافر نے کہا۔

"تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی !" اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا "اچھا یہ کہو جب تم نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تو اس وقت تم نے اپنے بُرے ہم نشین اور بُرے ساتھیوں، اور بُری خواہشات کو بھی اپنے سے دور پھینکا یا نہیں ؟"

"حضرت ایسا تو نہیں کیا" مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو پھر تم نے رمی بھی نہیں کی" حضرت نے افسوس کے ساتھ کہا اور فرمایا "جاؤ، واپس جاؤ، اور ان کیفیات کے ساتھ ایک بار پھر حج کرو۔ تاکہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نسبت پیدا کر سکو، جن کے ایمان و وفا کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن نے شہادت دی ہے

وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی۔ (النجم: ۳۷)

"اور وہ ابراہیمؑ جس نے (اپنے رب سے) وفاداری کا حق ادا کر دیا"

حج کی عظمت و اہمیت

قرآن و سنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت و اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ [۱]

---

[۱] آل عمران آیت ۹۷

"لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو اس حکم سے انکار و کفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہان والوں سے بے نیاز ہے"

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے،

(۱) حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کا یہ حق ادا کریں۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں، آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی[۱]، اور صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، پس حج ادا کرو"

(۲) دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا وَمَنْ كَفَرَ، جس طرح قرآن میں ترک صلوٰۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے[۲]، اسی طرح اس فقرے میں ترکِ حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

---

[۱] جامع ترمذی کتاب الحج۔

[۲] وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الروم آیت ۳۱)

"نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ"

"جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اس کو خانۂ خدا تک پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیے کہ خدا کا ارشاد ہے، وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران: ۹۷)

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دیا[1] ہے تو یہ ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید سنائی گئی، بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا ورنہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے،

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (آل عمران: ۹۷)

"اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ جان لیں کہ خدا کو سارے جہان کی پروا نہیں۔"

یعنی ترک حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پروا نہیں کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں۔ یہ تنبیہ اور تہدید کا

---

[1] حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دینے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے عمل سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب حج کو بالکل ترک کر چکے تھے اور مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز کھو چکے تھے، اس لیے ترک صلوٰۃ کو مشرکانہ عمل قرار دیا گیا اور ترک حج کو یہود و نصاریٰ کا عمل بتایا۔

سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ بے زاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے، وہ ایمان و ہدایت سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، "میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں اِن شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کر رہے ہیں پھر ان پر جزیہ[1] مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں"[2]

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے، اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

حج کی فضیلت و ترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرما کر اس کا شوق دلایا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے،

(۱) "جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا، پھر اس نے نہ تو کوئی

[1] حفاظتی ٹیکس جو غیر مسلم شہریوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں وصول کیا جاتا ہے۔

[2] المنتقیٰ۔

فحش شہوانی عمل کیا، اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ (گناہوں سے
ایسا پاک صاف ہوکر) لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اس دن تھا جس دن
اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔[1]

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا

(۲) حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں، وہ اپنے (میزبان)
خدا سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے اور وہ اس سے مغفرت
چاہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔[2]

اور ارشاد فرمایا

(۳) "حج اور عمرہ پے بہ پے کرتے رہا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں ہی
فقر و احتیاج اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی، لوہے
اور سونے چاندی کے میل کچیل کو صاف کر کے دور کر دیتی ہے، اور "حج مبرور"
کا اجر و صلہ تو بس جنت ہی ہے۔[3]

"حج مبرور" سے مراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شعور اور آداب و شرائط کے
ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا
اہتمام کیا ہو، نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا

---

[1] بخاری، مسلم۔

[2] ابن ماجہ۔

[3] ترمذی، نسائی۔

(۴) "جب کسی زائرِ حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے، کہ وہ اپنے گھر میں پہنچے اس کو سلام کرو، اور اس سے مصافحہ کرو، اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے[1]"

(۵) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "حضورؐ! میرا جسم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی" ارشاد فرمایا "تم ایسا جہاد کیا کرو، جس میں کانٹا بھی نہ لگے" سائل نے کہا "حضورؐ! ایسا جہاد کون سا ہے جس میں کسی تکلیف اور گزند کا اندیشہ نہ ہو" ارشاد فرمایا "تم حج کیا کرو[2]"

(۶) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص میدان عرفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا، کہ یکایک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو، یہ قیامت کے روز تلبیہ[3] پڑھتا ہوا اُٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو[4]

---

[1] مسند احمد۔

[2] طبرانی۔

[3] دیکھیے اصطلاحات صفحہ ۲۸۳۔

[4] بخاری، مسلم۔

(۷) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے التجا کی کہ پروردگار! جو بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر وثواب عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے داؤد! وہ میرے مہمان ہیں، ان کا یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کی خطائیں معاف کردوں اور جب وہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں ان کو بخش دوں[1]"

---

[1] طبرانی۔

وجوبِ حج کی شرطیں دس ہیں، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج واجب نہ ہوگا۔

۱۔ اسلام

غیر مسلموں پر حج واجب نہیں ہوسکتا۔

۲۔ عقل

مجنون، دیوانے اور مخبوط الحواس شخص پر حج واجب نہیں۔

۳۔ بلوغ

نابالغ بچوں پر حج واجب نہیں، کسی خوشحال آدمی نے بچپن ہی میں بلوغ سے پہلے حج کرلیا تھا تو اس سے فرض نہ ادا ہوگا بالغ ہونے کے بعد پھر فرض ادا کرنا ہوگا، بچپن کا حج نفلی حج ہوگا۔

۴۔ استطاعت

حج کرنے والا خوشحال ہو اور اس کے پاس اپنی ضرورتِ اصلیہ اور قرض سے محفوظ اتنا مال ہو جو راستے کے مصارف کے لیے بھی کافی ہو، اور حج سے واپس آنے تک اُس کے اُن متعلقین کے لیے بھی کافی ہو جن کا نان نفقہ شریعت کی رو سے اس پر واجب ہے۔

۵- آزادی

غلام اور باندی پر حج واجب نہیں۔

۶- جسمانی صحت

یعنی کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس میں سفر کرنا ممکن نہ ہو۔ لہٰذا لنگڑے، اپاہج، نابینا اور زیادہ بوڑھے شخص پر خود حج کرنا واجب نہیں، البتہ دوسری تمام شرطیں پائی جائیں تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے[1]۔

۷- کسی ظالم و جابر حکمران کی جانب سے جان کا خوف بھی نہ ہو اور آدمی کسی کی قید و بند میں بھی نہ ہو۔

۸- راستے میں امن و امان ہو

اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو، جہاز ڈوبتے جا رہے ہوں، یا راستے میں ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو، یا سمندر میں ایسی کیفیت ہو کہ جہاز اور کشتی کے لیے خطرہ ہو یا اور کسی قسم کے خطرات ہوں تو ان تمام صورتوں میں حج واجب نہیں ہوتا البتہ ایسے شخص کو یہ وصیت کر جانا چاہیے کہ میرے بعد جب حالات سازگار ہوں تو میری جانب سے حج کر لیا جائے۔

یہ آٹھ شرطیں تو مرد اور عورت دونوں کے لیے ہیں، ان کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں جو صرف خواتین کے لیے ہیں گویا خواتین پر حج واجب ہونے کے لیے دس شرطیں ہیں۔

---

[1] یہی صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

۹۔ سفرِ حج میں شوہر یا محرم کی معیت:۔ اس شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سفر تین شبانہ روز سے کم کا ہو تب تو خاتون کے لیے تنہا سفر کی اجازت ہے، لیکن سفر تین شبانہ روز سے زیادہ کا ہو تو پھر شوہر یا محرم کے بغیر سفرِ حج جائز نہیں ہے[1] اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ محرم عاقل، بالغ، دیندار اور قابلِ اعتماد شخص ہو، نادان بچے یا فاسق ناقابلِ اعتماد شخص کے ساتھ سفر جائز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خواتین کو وجوبِ حج کی چوتھی شرط میں یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ سفرِ حج میں ساتھ جانے والے محرم کے مصارفِ سفر کی ذمّہ داری بھی حج کو جانے والی خاتون پر ہی ہوگی[2]

---

[1] جس خاتون کا شوہر نہ ہو اور کوئی ایسا محرم بھی نہ ہو جس کے ساتھ سفرِ حج میں جا سکے تو پھر وہ ان رفقارِ سفر کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، جن کی اخلاقی حالت قابلِ اطمینان ہو، یہ امام مالک اور امام شافعی رح کا مسلک ہے، اور "قابلِ اطمینان رفقارِ سفر" کی تشریح امام شافعیؒ نے اس طرح فرمائی ہے، "چند خواتین بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے محرموں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون ان کے ساتھ جا سکتی ہے، البتہ صرف ایک خاتون کے ساتھ اُسے نہ جانا چاہیئے" امام شافعی رح کی یہ رائے بڑی معتدل ہے اس میں ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون کے لیے فریضۂ حج کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے اور اس فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے خاتون کے لیے بلا محرم سفر کی ممانعت ہے۔

[2] ونفقۃ المحرم علیہا لانہا تتوسّل بہ الی اداء الحج، ہدایہ جلد اوّل۔

۱۰۔ حالت عدّت میں نہ ہونا، خواہ عدّت وفات کی ہو یا طلاق کی ہر حال میں دوران عدّت حج واجب نہ ہوگا[1]

---

[1] فلا تخرج المرءة الی الحج فی عدة طلاق اوموت، عالمگیری جلد اول ص ۱۴۱

صحتِ حج کی شرطیں

صحتِ حج کی چار شرطیں ہیں، ان شرائط کے ساتھ حج کیا جائے تو حج صحیح اور معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

۱۔ اسلام

اسلام حج کے وجوب کی بھی شرط ہے اور صحت کی بھی، اگر کوئی غیر مسلم حج کے ارکان ادا کرلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ایمان لانے کی توفیق بخش دے تو اس کا وہ حج کافی نہیں ہوگا جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا، اس لیے کہ حج صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حج کرنے والا مسلم ہو۔

۲۔ عقل و ہوش

ناسمجھ اور دیوانے شخص کا حج صحیح نہیں۔

۳۔ سارے ارکان مقررہ ایام، مقررہ اوقات اور مقررہ مقامات میں ادا کرنا۔

حج کے مہینے یہ ہیں:۔ شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اسی طرح حج کے سارے ارکان ادا کرنے کے لیے اوقات بھی مقرر ہیں، مقامات بھی مقرر ہیں، اس کے خلاف ارکان حج ادا کیے جائیں گے تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

۴۔ مفسداتِ حج سے بچنا اور حج کے سارے ارکان و فرائض ادا کرنا۔ اگر حج کا کوئی رکن ادا کرنے سے رہ گیا یا چھوڑ دیا تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

حج کے احکام

۱۔ حج فرض ہونے کی ساری شرطیں موجود ہوں تو حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، حج فرض عین ہے اور اس کی فرضیت قرآن و حدیث سے صاف صاف ثابت ہے، جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے، اور جو شخص شرائط وجوب پائے جانے کے باوجود حج نہ کرے وہ گنہگار اور فاسق ہے۔

۲۔ حج فرض ہو جانے کے بعد فوراً اسی سال ادا کر لینا چاہیے۔ فرض ہو جانے کے بعد بلا وجہ تاخیر کرنا اور ایک سال سے دوسرے سال پر ٹالنا گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"جو شخص حج کا ارادہ کرے اُسے جلدی کرنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے یا اونٹنی گم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ضرورت پیش آجائے" [1]

اونٹنی گم ہونے سے مراد یہ ہے کہ سفر کے ذرائع باقی نہ رہیں، راستہ پر امن نہ رہے، یا اور کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ پھر حج کرنے کا امکان نہ رہے اور آدمی فرض کا بوجھ لیے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو، حالات کی سازگاری با

---

[1] ابن ماجہ۔

زندگی کا کیا اعتبار، آخر کس بھروسے پر آدمی تاخیر کرے، اور جلد حج کر لینے کے بجائے ٹالتا چلا جائے۔

۳۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے جن لوگوں سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے مثلاً کسی کے والدین ضعیف یا بیمار ہوں اور اس کی مدد کے محتاج ہوں، یا کوئی شخص کسی کا مقروض ہو یا ضامن ہو تو ایسی صورت میں ان سے اجازت لیے بغیر حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[۱]

۴۔ حرام ذرائع سے کمائے ہوئے مال سے حج کرنا حرام ہے۔

۵۔ جو شخص احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہو جائے، اس پر حج واجب ہے۔

۶۔ حج فرض ہو جانے کے بعد کسی نے تاخیر کی، اور پھر وہ معذور ہو گیا، نابینا، اپاہج یا سخت بیمار ہو گیا اور سفرِ حج کے قابل نہ رہا تو وہ اپنے مصارف سے دوسرے کو بھیج کر حجِ بدل[۲] کرائے۔

---

[۱] علم الفقہ، جلد ۵۔

[۲] حج بدل کا بیان صفحہ ۳۰۴ پر دیکھیے

میقات اور اس کے احکام

۱۔ میقات سے مُراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں، کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ میقات پر پہنچ کر اِحرام باندھ لے۔ اِحرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔[1]

۲۔ مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں۔

(۱) ذُوالحُلَیفَہ

یہ مدینے کے رہنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو اس راستے سے مکہ مکرمہ میں آنا چاہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے، تقریباً آٹھ، نو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور یہاں سے مکہ کا فاصلہ تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر ہوگا۔ یہ میقات مکہ سے تمام میقاتوں کے مقابلے میں زیادہ فاصلے پر ہے اور مدینے والوں کا یہ حق بھی ہے اس لیے کہ ہمیشہ سے مدینے والوں نے راہِ حق میں زیادہ قربانیاں دی ہیں۔

---

[1] علم الفقہ، جلد ۵۔

(۲) ذات عرق

یہ عراق اور عراق کی سمت سے آنے والوں کے لیے میقات ہے، یہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق کی جانب مکہ سے تقریباً اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(۳) حُجفہ

یہ ملک شام اور شام کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے ہے، یہ مکہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(۴) قرن المنازل

مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف جانے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے، جو مکے سے اندازاً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ اہلِ نجد کے لیے میقات ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راستے سے ہو کر آتے ہوں۔

(۵) یلملم

مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی جانب یمن سے آنے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دوری پر ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے، اہلِ ہند اور اہلِ پاکستان کو بھی اسی میقات پہ احرام باندھنا ہوتا ہے۔

یہ میقات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ مواقیت اُن لوگوں کے لیے ہیں جو ان مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہیں اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو میقات کے اندر رہتے ہیں، اگر وہ حدود

حرم میں رہتے ہیں تو ان کے لیے حرم ہی میقات ہے اور اگر حدود حرم سے
باہر حل میں رہتے ہیں تو ان کے لیے حل میقات ہے البتہ حرم کے رہنے
والے بھی عمرے کے لیے احرام باندھیں تو ان کے لیے میقات حل ہے
حرم نہیں۔

حج کے فرائض

حج میں چار باتیں فرض ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی چھوٹ جائے تو حج ادا نہ ہوگا۔

۱۔ اِحرام :- یہ حج کے لیے شرط بھی ہے اور حج کا رُکن بھی ہے۔

۲۔ وقوفِ عرفات :- خواہ چند ہی لمحے کے لیے ہو۔

۳۔ طوافِ زیارت :- اس کے پہلے چار شوط فرض ہیں اور بعد کے تین شوط واجب۔

۴۔ ان تینوں فرائض کو مقررہ مقامات، مقررہ اوقات میں متعین ترتیب کے مطابق ادا کرنا۔

اِحرام اور اس کے مسائل

۱۔ حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو اِحرام کہتے ہیں۔ حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے کے بعد آدمی مُحرِم ہو جاتا ہے،

جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے اسی طرح اِحرام باندھ لینے کے بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا اِحرام سے پہلے جائز اور مباح تھا، حالتِ اِحرام میں ان کا کرنا حرام اور ممنوع

ہو جاتا ہے، اِسی لیے اس کو احرام کہتے ہیں)۔

۲۔ کسی بھی مقصد سے مکے جانا ہو، سیر و سیاحت کے لیے ہو یا تجارت کے لیے یا کسی اور مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے، احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے۔

۳۔ اِحرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سُنّتِ مؤکدہ ہے، نابالغ بچوں کے لیے بھی غسل کرنا مسنون ہے، اور خواتین اگر حالتِ حیض و نفاس میں ہوں تب بھی غسل کرنا مسنون ہے، ہاں اگر غسل کرنے میں دشواری ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر وضو ہی کر لینا چاہیے۔ یہ غسل یا وضو محض صفائی ستھرائی کے لیے ہے، طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے پانی نہ ہونے کی صورت میں اس کے بجائے تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں۔

۴۔ اِحرام کے لیے غسل کرنے سے پہلے سر وغیرہ کے بال بنوانا، ناخن کتروانا اور سفید چادر اور سفید تہبند استعمال کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

۵۔ میقات پر پہنچنے سے پہلے بھی احرام باندھنا جائز ہے، اور اگر احرام کے آداب کا پاس و لحاظ ہو سکے تو افضل ہے، اور میقات پر پہنچنے کے بعد تو احرام باندھ لینا واجب ہے۔

۶۔ حالتِ اِحرام میں ممنوع کام

ان میں سے بعض کام تو وہ ہیں جن کا کرنا ہر حالت میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن احرام میں ان کا ارتکاب اور زیادہ بُرا ہے۔

(۱) جنسی افعال میں مبتلا ہونا، یا جنسی گفتگو کرنا، اپنی بیوی سے بھی اس طرح

کی گفتگو سے لذت اندوز ہونا ممنوع ہے۔

(۲) خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہونا۔

(۳) لڑائی جھگڑا اور گالی گلوج کرنا، سخت کلامی سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۴) جنگلی جانور کا شکار کرنا، نہ صرف خود شکار کرنا حرام ہے بلکہ شکار کرنے والے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا، یا شکار کرلنے میں اس کی رہنمائی کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

(۵) سِلے ہوئے کپڑے مثلاً قمیص، پاجامہ، شیروانی، کوٹ، پتلون، ٹوپی، موزہ، دستانے، بنیان وغیرہ پہننا۔

خواتین کے لیے جائز ہے کہ شلوار، قمیص پہن لیں، موزے بھی پہن سکتی ہیں اور چاہیں تو زیور بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

(۶) شوخ اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا۔ خواتین ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں اور رنگین کپڑے بھی، البتہ رنگ خوشبودار نہ ہونا چاہیئے۔

(۷) سر اور چہرے کا چھپانا، خواتین ضرورت کے وقت کسی پنکھے اور چادر وغیرہ سے آڑ کرلیں تو جائز ہے۔

(۸) سر اور داڑھی وغیرہ کا خطمی یا صابون وغیرہ سے دھونا۔

(۹) جسم کے کسی بھی حصے کے بال منڈوانا۔ یا کسی بھی دوا یا بال صفا پاؤڈر وغیرہ سے بال صاف کرنا، یا اکھاڑنا، یا جلانا۔

(۱۰) ناخن کاٹنا، یا پتھر وغیرہ پر گھس کر صاف کرنا۔

(۱۱) خوشبو کا استعمال کرنا۔

(۱۲) تیل کا استعمال کرنا۔

۷۔ حالتِ احرام میں جائز کام

اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر کیا گیا ان کے علاوہ ساری باتیں جائز ہیں چند باتیں بطور مثال لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) کسی چیز کے سائے میں آرام لینا۔

(۲) نہانا اور سر دھونا، مگر صابون وغیرہ سے نہ دھوئے۔

(۳) بدن یا سر کھجانا۔ البتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ ٹوٹیں اور اگر سر میں جوئیں ہو گئی ہوں تو وہ نہ گریں۔

(۴) اپنے پاس رقم رکھنا یا کمر میں ہتھیار یا رقم وغیرہ باندھنا۔

(۵) خالی اوقات میں تجارت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں،

قرآن میں ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (البقرہ ۱۹۸)

"دورانِ حج میں اگر تم اپنے پروردگار کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں"

(۶) احرام کے کپڑے بدلنا اور ان کو دھونا۔

(۷) انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ پہننا۔

(۸) سُرمہ لگانا، مگر سرمہ خوشبودار نہ ہو۔

(۹) ختنہ کرانا۔

(۱۰) نکاح کرنا۔

(۱۱) موذی جانوروں کو مارنا۔ مثلاً چیل، کوّا، چوہا، سانپ، بچھو، شیر، چیتا، بھیڑیا، کتّا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"حرم میں اور احرام کی حالت میں پانچ قسم کے جانوروں کو مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چوہا، کوّا، چیل، بچھو اور حملہ کرنے والا کتا"

(یعنی درندہ)۔

(۱۲) بحری شکار کرنا بھی جائز ہے اور اگر کوئی غیر محرم اپنے لیے خشکی کا شکار مار کر محرم کو تحفے میں دے تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

۸۔ اِحرام کا طریقہ

اچھی طرح بال ناخن وغیرہ بنوا کر اور غسل کر کے، خوشبو لگائے اور اِحرام کے کپڑے یعنی ایک چادر اور ایک تہمد زیب تن کر لے پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حج[1] یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ جاتا ہے اور وہ شخص مُحرم ہو جاتا ہے۔ تلبیہ کے بجائے اگر قربانی کا اونٹ مکے کی طرف روانہ کر دے تو وہ تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔

---

[1] اگر مفرد ہو تو خالی حج کی نیت کرے، قارن ہو تو حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے، اور متمتع ہو تو پہلے عمرے کی نیت کر کے عمرہ کرے اور عمرے سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے۔ مفرد، قارن، متمتع کے لیے دیکھیے، اصطلاحات صفحہ (۳۴۳، ۳۴۴)

تلبیہ اور اس کے مسائل

حج کی نیت کرتے ہی زائرِ حرم جو کلمات کہتا ہے اس کو تلبیہ کہتے ہیں، تلبیہ یہ ہے:۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

"میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، (تیری پکار پر) تیرے حضور حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، یہ حقیقت ہے کہ حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام تیرا ہی کام ہے، اقتدار تیرا ہی حق ہے، تیرے اقتدار میں کوئی شریک نہیں۔"

۱۔ احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ کہنا فرض ہے، اور ایک بار سے زیادہ کہنا سنت ہے۔

۲۔ احرام باندھنے کے بعد سے دسویں تاریخ کو پہلے جمرے کی رمی تک برابر تلبیہ کا وِرد رکھے، ہر نشیب میں اُترتے وقت، ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر قافلے سے ملتے وقت، ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور ہر صبح و شام تلبیہ پڑھتا رہے۔

۳۔ تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے خدا کی طرف سے مجھے یہ فرمان پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دے دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں۔"[1]

۴۔ جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہے تین بار تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

۵۔ تلبیہ کہتے وقت گفتگو کرنا مکروہ ہے، البتہ سلام کا جواب دینے کی اجازت ہے۔

۶۔ جو شخص تلبیہ کہہ رہا ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہیے، تلبیہ کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

تلبیہ کی حکمت اور فضیلت

تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا،

"اور لوگوں کو حج کے لیے عام منادی کرادو کہ وہ تمہارے پاس دُور

---

[1] موطا مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ، مگر خواتین کے لیے مسنون یہ ہے کہ تلبیہ پڑھنے میں اپنی آواز بلند نہ کریں، ہدایہ میں ہے، ولا ترفع صوتها بالتلبية لما فيه من الفتنة ولا ترمل ولا تسعیٰ بین المیلین لانہ مخل لستر العورۃ (کتاب الحج) یعنی خاتون تلبیہ کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے، اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور نہ رمل کرے اور نہ سعی اس لیے کہ دوڑنے سے اس کی پردہ پوشی میں خلل پڑے گا۔

دراز سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں"

دراصل تلبیہ خدا کی اس عام منادی اور پکار کا بندوں کی طرف سے جواب ہے، کہ پروردگار ہم نے تیری پکار سُنی اور تیری طلبی پر تیرے حضور تیرے دربار میں حاضر ہیں، زائر حرم رہ رہ کر بار بار یہ صدا لگاتا ہے تو درحقیقت وہ کہتا ہے کہ پروردگار تو نے ہمیں اپنے گھر میں حاضری کا حکم دیا، اور ہم صرف تیری محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دیوانہ وار حاضر ہو گئے۔ ہم تیرے اس احسان اور توفیق کا شکر ادا کرتے ہیں، تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں، یہ صدا مومن کے رگ و پے میں توحید کے عقیدے کو پیوست کرتی ہے، اور اُسے تیار کرتی ہے کہ اس کے وجود کا مقصد دنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ توحید کا پیغام عام کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"جب بھی کوئی مسلمان بندہ لبیک کی صدا لگاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ ساری چیزیں لبیک پکار اٹھتی ہیں جو اس کے آس پاس موجود ہیں۔ خواہ وہ پتھر، درخت، اور مٹی کے ڈھیلے ہی ہوں یہاں تک کہ یہ زمین اِدھر سے بھی ختم ہو جاتی ہے اور اُدھر سے بھی یعنی یہ سلسلہ پوری زمین پر بھی پھیل جاتا ہے"[1]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو محرم بھی پورے دن لبیک لبیک پکارتا ہے یہاں تک کہ سورج

---

[1] جامع ترمذی۔

غروب ہو جائے تو اس کے سارے گناہ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔"

تلبیہ کے بعد کی دُعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضْوَانَکَ وَالْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُ بِرَحْمَتِکَ مِنَ النَّارِ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا بھکاری ہوں اور تیرے دامنِ رحمت میں دوزخ کی آگ سے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔"

"حضرت عمارہ بن خزیمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (احرام باندھنے کے لیے) تلبیہ پڑھتے تو تلبیہ پڑھنے کے بعد اللہ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے طفیل جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے۔"[1]

احرام کے بعد زائرِ حرم جو دعا چاہے مانگے اور خوب مانگے لیکن پہلے اس مسنون دُعا کا اہتمام ضرور کرے، یہ بڑی جامع دعا ہے۔ خدا کی رضا اور جنت کا حصول اور آتش جہنم سے نجات یہی مومن کی انتہائی تمنا اور اس کی دوڑ دھوپ کا حاصل ہے۔

---

[1] مسند الشافعی ج۔

وقوف اور اس کے مسائل

۱۔ وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھیرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں، نیز وقوف کا عمل کرنے کے لیے ان مقامات میں پہنچ جانا ضروری ہے، وقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں[1]۔

۲۔ سب سے اہم وقوف وقوفِ عرفات ہے، عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، یہ میدان مکۂ مکرمہ سے تقریباً ۱۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میدانِ عرفات میں وقوف، حج کے ارکان میں سے سب سے بڑا رکن ہے، بلکہ ایک موقع پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوفِ عرفات ہی کو حج فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے

اَلْحَجُّ عَرَفَۃُ[2]

"عرفے میں وقوف ہی حج ہے"

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا شرط ہے۔

[2] جامع ترمذی۔

عرفے کے دن جب میدانِ عرفات میں لاکھوں انسان ایک ہی لباس پہنے اپنے خدا کے حضور عجز و احتیاج کی تصویر بنے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے وقت کے لیے انسان اس دنیا سے اٹھ کر گویا میدانِ حشر میں پہنچ جاتا ہے، یہ بڑا ہی ایمان افروز منظر ہوتا ہے۔ میدانِ عرفات میں وقوف کر کے دراصل میدانِ حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وقوفِ عرفات کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ر ذوالحجہ کو دن میں یا اس دن کے بعد والی رات میں کسی وقت بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج نہ ہوگا۔ حج کے دوسرے مناسک طواف، سعی، رمی وغیرہ رہ جائیں تو ان کی تلافی ممکن ہے لیکن وقوفِ عرفہ رہ جائے تو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

۳۔ وقوفِ عرفات کا وقت ۹ ر ذوالحجہ کو بعدِ زوال، ظہر و عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، لیکن چونکہ یہ حج کا رکنِ اعظم ہے اور اسی پر حج کا دار و مدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی کر کے سہولت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ۹ ر ۱۰ ر ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا[1]۔

۴۔ وقوفِ عرفات جتنا زیادہ طویل ہو اچھا ہے، اس شعور اور تصور کے ساتھ خدا کے حضور کھڑا ہونا، کہ گویا میدانِ حشر ہے اور میں سب سے بے تعلق تنہا اپنا معاملہ

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا "حج وقوفِ عرفہ ہی ہے، جو شخص مزدلفہ والی رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہنچ گیا اس نے حج پا لیا۔" (ترمذی، ابوداؤد)

چپکانے کے لیے اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگنے کے لیے سراپا احتیاج، اس کے حضور کھڑا ہوں، مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی وقت ہے، اور کیا معلوم زندگی میں پھر یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں، اس لیے ایمان و احتساب کی قوتوں کو زندہ رکھتے ہوئے پورے شعور کے ساتھ اس روز و شب کے ایک ایک لمحے کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

"پھر (ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد) آپؐ (اپنی ناقہ قصواء پر) سوار ہوئے اور میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر آئے اور آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رُخ ادھر کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں، اور پیدل مجمع کو اپنے سامنے کر کے آپؐ قبلہ رُو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کا وقت آگیا، اور آفتاب کی زردی بھی ختم ہو گئی یہاں تک کہ آفتاب بالکل غروب ہو گیا تو آپؐ (مزدلفہ کے لیے) روانہ ہوئے۔"[1]

۵۔ وقوفِ عرفات کی اہمیت اور فضیلت بتاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"(سال کے ۳۶۰ دنوں میں) کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ عرفہ کے دن سے زیادہ وسیع پیمانے پر اپنے بندوں کو جہنم کی آگ

---

[1] مسلم۔

سے رہائی بخشتا ہو، اس دن اللہ اپنے بندوں کے بہت قریب آجاتا ہے
اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے:
فرشتو! دیکھتے ہو یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟[1] "

"حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے میدانِ عرفات میں وقوف فرمایا، آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا
کہ آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ لوگوں کو خاموش کر
دو، حضرت بلالؓ نے لوگوں سے کہا "خاموش ہو جاؤ" تو نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہا، لوگو! ابھی ابھی میرے پاس جبریلؑ آئے تھے انہوں
نے مجھے خدا کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا کہ "اللہ نے تمام عرفات والوں
کو بخش دیا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ پیغام ہم
صحابہ کے لیے خاص ہے یا ساری امت کے لیے ہے۔
حضورؐ نے فرمایا
"یہ تمہارے لیے ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے ہے جو
تمہارے بعد یہاں آئیں[2]"

۶۔ میدانِ عرفات کی دعائیں

میدانِ عرفات میں دعاؤں کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیئے اور وہاں

---

[1] مسلم۔
[2] الترغیب۔

کے وقوف میں مسلسل خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "سب سے بہتر اور افضل دعا عرفے کے دن کی دعا ہے" ذیل میں چند مسنون دعائیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) میدانِ عرفات میں آپ نے یہ دعا کثرت سے مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْءُ بِہِ الرِّیْحُ[1]

"اے اللہ! تو ایسی ہی حمد و تعریف کا مستحق ہے، جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اس سے بہتر تعریف کا مستحق ہے جیسی ہم کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! تیرے ہی لیے ہے میری نماز اور میری قربانی، میری موت اور میری زندگی، اور تیری ہی طرف مجھے لوٹ کر آنا ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے معاملات کی خرابی اور خلفشار سے اور اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ان آفتوں سے جنہیں ہوائیں لے کر آئیں"

(۲) الحزب المقبول میں ایک نہایت جامع دعا منقول ہے۔ اس کا

---

[1] ترمذی۔

اہتمام بھی باعث برکت ہے،

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ بِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ بِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور ان ساری چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جن کے شر سے تیرے نبی نے تیری پناہ مانگی ہے، پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم ان میں سے ہیں جو سراسر گھاٹے میں ہیں،

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی

کی توفیق دے۔ پروردگار! ہماری دُعا کو شرفِ قبول عطا فرما! پروردگار!
میری مغفرت فرما دے، میرے والدین کی مغفرت فرما دے، اور اس روز
سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا۔

اے میرے رب! میرے ماں باپ دونوں پر رحم فرما، جس طرح دونوں
نے میرے بچپن میں رحم و شفقت کے ساتھ) میری پرورش کی ہے، پروردگار!
ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں
ہم سے سبقت لے گئے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ
کپٹ نہ ہونے دے جو ایمان لائے، ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو بہت
ہی مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے، پروردگار! بے شک تو سب کچھ
سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما بے شک
تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے،
معصیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرماں برداری کی استطاعت کہیں سے
حاصل نہیں ہو سکتی سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا
ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ میدانِ عرفات میں یہ دُعا
کثرت سے کرتے رہو۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[1]o

"اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی دیجئے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔"

ان مسنون دعاؤں کے علاوہ کچھ اور مسنون دعائیں بھی ہیں جو پڑھی جا سکتی ہیں اور ان کے علاوہ بھی آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے اور خوب مانگے، اس لیے کہ اس وقت خدا بندے پر بہت ہی مہربان ہوتا ہے، اور اپنے مہمان کو محروم نہیں کرتا۔

۷۔ مزدلفے میں وقوف واجب ہے اور مزدلفے کے حدود میں پاپیادہ داخل ہونا مسنون ہے، مزدلفے میں وقوف کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہو کر طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔ اگر طلوعِ فجر سے پہلے وقوف کیا، یا طلوعِ آفتاب کے بعد کیا تو یہ وقوف معتبر نہ ہوگا۔

۸۔ مزدلفہ میں وقفے وقفے سے تلبیہ، تہلیل اور تحمید کہنا مستحب ہے، اور مزدلفے میں ایک شب گزارنا مسنون ہے، حدیث میں ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد آپؐ مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں آپؐ نے مغرب اور عشار کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر وہاں لیٹ گئے اور طلوعِ فجر تک آرام فرماتے رہے۔ پھر طلوع فجر کے بعد آنحضورؐ نے صبح کی نماز ادا فرمائی۔

۹۔ ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو کسی وقت منیٰ میں پہنچنا مسنون ہے اور مستحب

---

[1] البقرہ: ۲۰۱۔

یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد وہاں پہنچ کر وہیں ظہر کی نماز پڑھی جائے اور
نہ یہیں شب میں آرام کیا جائے ۔

طواف اور اُس کے مسائل

طواف کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا اور گھومنا۔ اور اصطلاح میں طواف سے مُراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔

بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ

بیت اللہ اینٹ پتھر کی محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ وہ روئے زمین پر خدا کی عظمت کا مخصوص نشان اور اس کے دین کا مخصوص مرکز ہے، جو خود اللہ نے اپنی نگرانی اور ہدایت کے تحت ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر سے تعمیر کرایا ہے[1] جن کی امامت پر یہود، نصاریٰ، اور مسلمان سب ہی متفق ہیں اور قرآن پاک کی شہادت ہے کہ سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ۔ (آل عمران: ۹۶)

"بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکے میں ہے"

دراصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے، قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ

---

[1] الحج آیت ۲۶ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ الخ

توحید کا سرچشمہ اور نماز کی اصل جگہ ہے، اور یہی توحید و نماز پورے دین کا مغز اور خلاصہ ہیں، عقیدے کے پہلو سے توحید دین کی اصل بنیاد ہے، اور عمل کے پہلو سے نماز دین کی اساس ہے، اور بیت اللہ کی تعمیر انہی دو بنیادی مقاصد کے لیے ہے، اسی لیے خدا نے اس کو خیر و برکت کا سرچشمہ اور ہدایت کا منبع قرار دیا ہے

مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۶)

"اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے اس کو منبع ہدایت بنایا گیا ہے"

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو دو مقامات پر "بَیْتِیَ"[1] (میرا گھر) کہا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی ذریت کو مکے کی چٹیل وادی میں بساتے ہوئے

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۲۵، میں ہے "وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو" اور سورہ الحج آیت ۲۶ میں ہے "وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ تجویز کی تھی، (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو"

کہا ہے خدایا! میں ان کو "تیرے[1] گھر" کے پڑوس میں بسا رہا ہوں، اور بیت اللہ کی عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اللہ نے اس گھر کے حج کو مسلمانوں پر اپنا ایک حق بتایا ہے، اور حج یہی تو ہے کہ مومن احرام باندھ کر یعنی خود کو بیت اللہ میں حاضری کے لائق بنا کر والہانہ انداز میں اس کے گرد طواف کرے، اس میں لگے ہوئے پتھر کو بوسہ دے، ملتزم سے چمٹے، مسجد حرام میں نماز پڑھے اور عرفات میں وقوف کرے۔

طواف کی فضیلت

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جائے، خدا نے ابراہیمؑ کو اسی کی تاکید فرمائی اور یہ تاکید قرآن میں دو جگہ فرمائی۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ[2]

"اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو"

نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (الحج: ۲۹)

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ آیت ۳۷ میں ہے، رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ "پروردگار! میں نے اس بے آب گیاہ وادی میں اپنی کچھ ذریت کو لا بسایا ہے تیرے محترم گھر کے پاس"

[2] البقرہ آیت ۱۲۵، الحج ۲۶۔

"اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے "بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ طواف میں تم گفتگو کر سکتے ہو (اور نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے) تو جو شخص طواف کے دوران کوئی بات کرے تو اس کو چاہیئے کہ مُنہ سے اچھی ہی بات نکالے۔"[1]

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔" (حجرِ اسود اور رکن یمانی) ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور میں نے آپؐ کو یہ بھی فرماتے سُنا "جس نے خدا کے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا، اور شعور و توجہ کے ساتھ کیا، تو اس کا صلہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے" اور یہ بھی فرماتے سُنا کہ طواف میں بندہ جو بھی قدم رکھے گا اور جو بھی قدم اٹھائے گا، خدا اس کے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک بھلائی اس کے لیے لکھے گا۔"[2]

---

[1] ترمذی، نسائی۔

[2] ترمذی۔

استلام

استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو چھونا، طواف کا ہر شوط شروع کرتے وقت حجرِ اسود کا استلام کرنا، اور اسی طرح طواف کے ختم پر حجرِ اسود کا استلام کرنا سنت ہے، اور رکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے۔

حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت لحاظ رہے کہ مُنہ سے بوسے کی آواز نہ نکلے، صرف حجرِ اسود پر منہ رکھنا مسنون ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر غیر معمولی ازدحام ہو اور حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر کسی چھڑی کو حجرِ اسود سے مَس کر کے اس کا بوسہ لے لیا جائے، اور یہ بھی دشوار ہو تو پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔

حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے استلام کی فضیلت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اللہ کی قسم! قیامت کے روز اللہ اس کو زندگی بخش کر اٹھائے گا۔ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے گا۔ اور زبان ہوگی، جس سے یہ بولے گا۔ اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا ان کے حق میں سچی گواہی دے گا"[1]

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ

رکنِ یمانی کی دعا

رکنِ یمانی کے استلام کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"رکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہراس بندے کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرتا ہے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[1]

"اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں، پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔"

طواف کی قسمیں اور ان کے احکام

طوافِ بیت اللہ کی چھ قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

۱۔ طوافِ زیارت:۔ اس کو طوافِ اِفاضہ اور طوافِ حج بھی کہتے ہیں، طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

قرآن کا حکم ہے:۔

وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ (الحج:۲۹)

"اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔"

---

[1] ابن ماجہ۔

ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس سے طوافِ زیارت مراد ہے جو وقوفِ عرفات کے بعد دس تاریخ کو کیا جاتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے ۱۰ر ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو ۱۱ر ۱۲ر ذوالحجہ کو بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ **طوافِ قدوم:۔** اس کو طوافِ تحیۃ بھی کہتے ہیں۔ مکے میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں، یہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں[1]، اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، اس کو طواف اللقا اور طواف التحیہ بھی کہتے ہیں۔

۳۔ **طوافِ وداع:۔** بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کرتے ہیں اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں، یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر سینہ اور داہنا رخسار اس سے لگا کر اور داہنے ہاتھ سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری اور خشوع کے ساتھ دعا مانگنا چاہیئے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے، معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہو۔ طوافِ وداع کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔

---

[1] علم الفقہ جلد پنجم اور قدوری میں اس کو مسنون کہا گیا ہے، امام مالک کے نزدیک البتہ طوافِ قدوم واجب ہے، ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص بیت اللہ کی زیارت کو آئے اس کو چاہیئے کہ وہ طوافِ تحیہ کرے (عین الہدایہ جلد اول ص۹۹۴)

"کوئی شخص "طوافِ رخصت" کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو، مگر اس خاتون کے لیے اجازت ہے جو حالتِ حیض میں ہو۔"

۴۔ طوافِ عُمرہ:۔ وہ طواف جو عُمرہ میں کیا جاتا ہے، یہ عُمرے کا رکن ہے، اس کے بغیر عمرہ ادا نہ ہوگا۔

۵۔ طوافِ نذر:۔ یعنی کسی نے طواف کی نذر مانی ہو، نذر کا طواف واجب ہے۔

۶۔ نفلی طواف:۔ یہ کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے اور مکے میں جب تک رہنے کا موقع ملے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آدمی زیادہ سے زیادہ طواف کرے۔

طواف کے واجبات

طواف میں نو (۹) چیزوں کا اہتمام واجب ہے،

۱۔ نجاست حکمیہ[1] یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا، خواتین کے لیے حیض و نفاس کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج کے سفر میں یہ ایام شروع ہو گئے تو وہ رونے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رونے کی کیا بات ہے، یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو آدمؑ کی بیٹیوں کے دم کے ساتھ ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں، مگر بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ"[2]

۲۔ ستر عورت: یعنی جسم کے ان حصوں کو چھپائے رکھنا جن کا چھپانا ضروری ہے، آپؐ کا ارشاد ہے:-

لَا یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ۔

"برہنہ ہو کر کوئی طواف نہ کرے"[3]

۳۔ حجر اسود کے استلام سے طواف شروع کرنا۔

۴۔ طواف کی ابتدا اپنی داہنی جانب سے کرنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

[1] تشریح کیلیے دیکھیے آسان فقہ جلد اول "اصطلاحات"۔ [2] بخاری، مسلم۔ [3] بخاری۔

کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکے تشریف لائے تو سب سے پہلے آپؐ حجرِ اسود کے پاس آئے، اس کا استلام کیا، اور پھر آپؐ نے اپنی داہنی جانب سے طواف شروع کیا۔[1]

۵۔ پاپیادہ طواف کرنا، عذر کی حالت میں، سوار ہو کر بھی طواف جائز ہے، اور نفلی طواف تو بغیر عذر بھی سوار ہو کر جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ پیدل طواف کیا جائے۔

۶۔ طواف کے پہلے چار فرض چکروں کے بعد باقی تین شوط[2] پورے کرنا۔

۷۔ ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔

حضرت جابر رضی اللہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، تو آپؐ نے پہلے حجرِ اسود کا استلام کیا، پہلے تین چکروں میں آپؐ نے رمل[3] کیا پھر چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے، پھر آپؐ مقامِ ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ (البقرہ: ۱۲۵)

"اور ابراہیمؑ کے مقامِ عبادت کو مستقل جائے نماز بنالو۔"

پھر آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے کہ "مقامِ ابراہیمؑ" آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا، اور آپؐ نے نماز پڑھی۔[4]

---

[1] مسلم۔
[2] و [3] دیکھئے اصطلاحات صفحہ ۳۱، ۲۱۔
[4] مسلم۔

۸۔ حطیم کے باہر باہر سے طواف کرنا تاکہ حطیم بھی طواف میں شامل رہے۔

۹۔ ممنوعات احرام[1] سے اجتناب کرنا۔

طواف کی دُعا

خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے جب حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہے، پھر یہ دعا پڑھے :۔

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[2]۔

"اے اللہ! تجھ پر ایمان لاکر، تیری کتاب کی تصدیق کرکے، اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں (یہ استلام اور طواف کر رہا ہوں)"۔

اور طواف شروع کردے، طواف کرتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ دُعا پڑھے :۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ[3]۔

"اللہ پاک و برتر ہے، تمام حمد و شکر اسی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں جو نیکی

---

[1] تفصیل ص ۲۷۹ پر دیکھیے۔

[2] نیل الاوطار۔

[3] ابن ماجہ، نیل الاوطار۔

کرا سکے اور کوئی قوت نہیں جو بُرائی سے روک سکے۔"

اور جب رُکنِ یمانی پر پہنچے تو رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھے:-

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرہ: ۲۰۱)

"اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔"

اور یہ دعا بھی پڑھے:-

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ بِخَیْرٍ[۱]

"اے اللہ! تو مجھے قناعت دے اسی پر جو کچھ تو نے مجھے عطا کر رکھا ہے، اور اسی میں میرے لیے برکت عطا فرما اور ہر غائب چیز میں تو خیر اور بھلائی کے ساتھ نگراں بن جا۔

اور یہ بھی پڑھے:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۲]

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، تعریف کا وہی مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔"

۱۔ حصن حصین۔
۲۔ حصن حصین۔

طواف کے مسائل

۱۔ ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے، دو طوافوں کو ملانا، اور درمیان میں نماز نہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ سات چکر لگا لینے کے بعد کسی نے قصداً آٹھواں چکر لگا لیا، تو اب چھ چکر مزید لگا کر ایک طواف اور کرنا ضروری ہے اس لیے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔

۳۔ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں طواف مکروہ نہیں ہے۔

۴۔ طواف کرتے ہوئے اگر پنجوقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت آ جائے یا نماز جنازہ آ جائے، یا وضو کی ضرورت پیش آ جائے، تو واپس آنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا وہیں سے پورا کرے۔

۵۔ طواف کرتے ہوئے اگر بھول جائے کہ کتنے شوط کیے ہیں تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، ہاں اگر کوئی قابلِ اعتماد شخص یاد دلا دے تو اس کی یاد دہانی کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

۶۔ طواف کے دوران کوئی چیز کھانا پینا، خرید و فروخت کرنا، اشعار گنگنانا اور بے ضرورت باتیں کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ حالتِ طواف میں نجاست حقیقیہ[1] سے پاک ہونا مسنون ہے اور نجاست حکمیہ[1] سے پاک ہونا واجب ہے۔

۸۔ حج اور عمرہ دونوں کے پہلے طواف میں رمل کرنا مسنون ہے اور اضطباع بھی مسنون ہے[2]۔

رَمَل

شانے ہلا کر ذرا تیز چلنا جس سے قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہو، اس کو ڈلکی چال چلنا کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سنہ ۷ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں نے آپس میں کہا کہ "ان لوگوں کا حال کیا ہو رہا ہے! یہ تو بڑے ہی نحیف اور کمزور ہو گئے ہیں، دراصل مدینے کی آب و ہوا نے ان کی صحت برباد کر دی ہے، مدینے کی آب و ہوا خراب ہے"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکے والوں کی اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپ نے حکم دیا کہ "طواف کے پہلے تین شوطوں میں سب رمل کریں یعنی ڈلکی چال چل کر قوت و طاقت کا مظاہرہ کریں چنانچہ رمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس وقت کی یہ ادا ایسی بھائی کہ یہ ایک مستقل سنت قرار دے دی گئی۔

---

[1] تشریح کے لیے دیکھیے آسان فقہ جلد اول "اصطلاحات" ص۵۵۔

[2] رمل اور اضطباع صرف مردوں کیلیے مسنون ہے خواتین نہ رمل کریں اور نہ اضطباع (عین الہدایہ)

رَمل صرف اسی طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہو، پس جو شخص طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کرنا چاہتا ہو، وہ اس طواف میں رمل نہ کرے، بلکہ طوافِ زیارت میں رَمل کرے، جس کے بعد اس کو سعی کرنا ہے، اسی طرح حج قِران کرنے والا جو طوافِ عمرہ میں رَمل کر چکا ہو وہ پھر طوافِ حج میں رَمل نہ کرے۔

اور اگر کوئی شخص پہلے تین شوطوں میں رَمل کرنا بھول جائے تو پھر رَمل بالکل ہی چھوڑ دے دوسرے شوطوں میں نہ کرے، اور ساتوں شوطوں میں رَمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اضطباع

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل بھی اظہارِ قوت وطاقت کے لیے ہے۔

حج میں نُو باتیں واجب ہیں۔

۱۔ سعی کرنا، یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے[1]

۲۔ مزدلفے میں وقوف کرنا، یعنی طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک کسی بھی وقت وہاں پہنچنا۔

۳۔ رمی کرنا، یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا۔

۴۔ طواف قدوم کرنا۔ یعنی مکے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرنا، طوافِ قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو آفاقی کہتے ہیں۔

۵۔ طوافِ وداع کرنا، خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت آخری رخصتی طواف کرنا، طواف وداع بھی صرف آفاقی پر واجب ہے۔

۶۔ حلق یا تقصیر، یعنی حج کے ارکان سے فارغ ہو کر بال منڈوانا یا صرف

---

[1] قرآن پاک کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن علمائے اہل حدیث کے نزدیک سعی فرض ہے اور ان کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے۔

مَا اَتَمَّ اللّٰہُ حَجَّ امْرِءٍ وَلَا عُمْرَتَہٗ لَمْ یَطُفْ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج اور عمرہ کامل قرار نہیں دیتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔"

کتروانا، دسویں ذوالحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا تقصیر واجب ہے۔

۷۔ قربانی۔ یہ صرف قارن یا متمتع پر واجب ہے، مفرد پر واجب نہیں۔

۸۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھنا۔ یعنی مغرب کی نماز موخر کر کے مزدلفے میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کرنا، اور میدان عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

۹۔ رمی، قربانی اور حلق و تقصیر میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

لغت میں سعی کے معنی ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا، اور کوشش کرنا وغیرہ، اصطلاح میں سعی سے مُراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ صفا بیت اللہ کے جنوب میں ہے اور مروہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے اور ان کے درمیان دو سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں، ایک صفا سے مروہ تک دوڑنے کے لیے اور دوسری مروہ سے واپس صفا تک دوڑنے کے لیے، اور ان پر بہت بڑا شیڈ ڈال کر ان سڑکوں کو پاٹ دیا گیا ہے تاکہ سعی کرنے والے دھوپ کی شدت اور بارش سے محفوظ رہیں۔

سعی کی حقیقت و حکمت

قرآن پاک میں ہے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۔ (البقرہ:۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں"

"شَعَائِر"، "شَعِیْرَہ" کی جمع ہے، کسی روحانی اور معنوی حقیقت اور کسی مذہبی یادگار کو محسوس کرانے اور یاد دلانے کے لیے جو چیز بطور نشان اور علامت مقرر کی گئی ہو اس کو شعیرہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ مقامات خدا پرستی اور اسلام کے عملی اظہار کے یادگار مقامات ہیں، مروہ ہی وہ مقام ہے جہاں خدا کے خلیل

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر پیشانی کے بل لٹاکر گردن پر چھری رکھ دی تھی، کہ اپنے سچے خواب کو سچا کر دکھائیں اور اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز چیز کو خدا کی رضا پر قربان کر کے اپنے قول (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ میں نے کامل طور پر خود کو اللہ رب العلمین کے حوالے کر دیا) کی عملی شہادت پیش کر دیں۔

اسلام اور سپردگی کا یہ عجیب وغریب منظر دیکھتے ہی خدا نے ان کو پکارا اور کہا ابراہیمؑ تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ (الصافات، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶)

"اور ہم نے ان کو پکارا، کہ اے ابراہیمؑ! تم نے واقعی اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک کھلی ہوئی زبردست آزمائش تھی۔"

صفا، مروہ پر نگاہ ڈالتے ہی فطری طور پر مومن کے ذہن میں قربانی کی یہ پوری تاریخ تازہ ہو جاتی ہے، اور ابراہیم واسمٰعیل علیہم السلام کے اسلام اور بندگی کی پوری تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے، اور اس ولولہ انگیز تاریخ کو یاد کرنے کے لیے خدا نے سعی کو مناسکِ حج میں شامل فرمایا، خدا کا ارشاد ہے

فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ

بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ - (البقرہ: ۱۵۸)

"لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو شخص دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ بھلا کام کرے گا تو خدا کو ہر چیز معلوم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔"

دورِ جاہلیت میں مشرکینِ مکہ نے ان دونوں پہاڑیوں پر بتوں کے استھان بنا لیے تھے۔ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کا استھان تھا اور ان کے گرد طواف ہوتا تھا، اسی لیے مسلمانوں کو تردد تھا کہ وہ ان کے گرد سعی کریں یا نہ کریں، تو خدا نے وضاحت کی کہ ان کے درمیان سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ سعی دراصل مناسکِ حج میں سے ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے جو مناسک تعلیم دیے گئے تھے ان میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ہدایت بھی تھی۔ اس لیے کسی کراہیت کے بغیر مسلمان پورے شوق اور دل کی رغبت سے صفا اور مروہ کی سعی کریں، خدا دل کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے اور وہ انسان کے اچھے جذبات اور اعمالِ صالحہ کی قدر فرماتا ہے۔

سعی کے مسائل

۱۔ طوافِ کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرنا واجب ہے طواف سے پہلے سعی کرنا جائز نہیں۔

۲۔ سعی کی حالت میں نجاستِ حکمیہ یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا واجب تو نہیں ہے، لیکن مسنون ہے۔

۳۔ سعی میں بھی سات شوط ہوتے ہیں اور یہ ساتوں واجب ہیں، ان میں سے کوئی شوط بھی فرض نہیں ہے۔

۴۔ طواف سے فارغ ہوتے ہی سعی شروع کرنا مسنون تو ہے لیکن واجب نہیں۔

۵۔ سعی کی ابتدا صفا سے کرنا واجب ہے۔

۶۔ سعی پا پیادہ کرنا واجب ہے البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر بھی کر سکتے ہیں۔

۷۔ پورے حج میں صرف ایک ہی بار سعی کرنا چاہیئے، چاہے طوافِ قدوم کے بعد کرے یا طوافِ زیارت کے بعد، بہتر یہ ہے کہ طواف زیارت کے بعد سعی کی جائے۔

۸۔ صفا مروہ پر چڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا اور دُعا کرنا مسنون ہے۔

۹۔ سعی کے دوران خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے، البتہ ضرورت کے وقت بات چیت کرنا جائز ہے۔

سعی کا طریقہ اور دُعائیں

طوافِ قدوم یا طوافِ زیارت جس کے بعد بھی سعی کرنے کا ارادہ ہو اس سے فارغ ہو کر پہلے صفا پہاڑی پر پہنچا جائے، صفا پر پہنچ کر یہ آیت پڑھی جائے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۱۵۸)

"بلاشبہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں"

اور پھر صفا پر اتنی اونچائی تک چڑھا جائے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے۔ پھر بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھ اُٹھا کر تین بار "اللہ اکبر" کہا جائے اور پھر یہ دُعا پڑھی جائے،

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ [1]

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، حمد و شکر کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور اس نے تنہا تمام کافر گروہوں کو شکست دی"

پھر درود شریف پڑھ کر جو دعائیں مانگنی ہوں مانگی جائیں، اپنے لیے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے لیے، یہ قبولیتِ دعا کا مقام ہے اس لیے دنیا اور عقبیٰ کی بھلائی اور سعادت کے لیے خوب ہی دعا کی جائے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے۔

---

[1] مسلم

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ کَمَا ھَدَیْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّیْ حَتّٰی تَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ [1]

"اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا، اور تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، تو اس دولت کو کبھی مجھ سے دُور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے تو میرا خاتمہ اسلام پر ہو"

اس کے بعد صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف روانہ ہونا چاہیئے اور چلتے ہوئے زبان پر یہ دُعا رہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔

"میرے رب! میری مغفرت فرما دے، میری حالت پر رحم فرما دے، تو انتہائی غالب، اور انتہائی بزرگ ہے"

صفا اور مروہ کے درمیان مروہ کو جاتے ہوئے بائیں جانب دو سبز نشان ہیں ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے، ان دونوں نشانوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے[2] پھر مروہ پر چڑھ کر وہی دُعائیں مانگی جائیں جو صفا پہ مانگی

---

[1] موطا

[2] لیکن یہ صرف مردوں کے لیے مسنون ہے، خواتین میلین اخضرین کے درمیان بھی معمول کے مطابق چلیں، دوڑیں نہیں اس لیے کہ دوڑنا پردہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔

تھیں، اور دیر تک ذکر و تسبیح میں مصروف رہا جائے، اس لیے کہ یہ دعا قبول ہونے کا مقام ہے، پھر مروہ سے اتر کر صفا کی طرف واپس جاتے ہوئے وہی دعا پڑھی جائے جو آتے وقت پڑھی تھی اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑا جائے۔ اور اسی طرح سات شوط پورے کیے جائیں۔

لغت میں رمی کے معنی ہیں پھینکنا اور نشانہ لگانا، اور اصطلاح میں رمی سے مُراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے، رمی جمرات واجب ہے۔ جمرات یا جمار، جمرہ کی جمع ہے، جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، منیٰ کے راستے میں کچھ کچھ فاصلے سے پتھر کے تین ستون قدِ آدم کے برابر کھڑے ہیں، ان پر چونکہ کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اس لیے ان ستونوں کو ہی جمرات کہنے لگے، اور یہ تین جمرات، جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے جو مکۂ مکرمہ کے قریب ہے اس کو جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں، بعد والے کو وسطیٰ اور اس کے بعد والے کو جو مسجدِ خیف کے قریب ہے جمرۂ اُولیٰ کہتے ہیں۔

رمی کی حقیقت و حکمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے مکہ معظمہ پر اس ناپاک ارادے سے چڑھائی کی کہ وہ کعبہ کو ڈھا دے گا۔ چنانچہ وہ ہاتھیوں پر سوار ایک زبردست لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور برابر آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مکے کے بالکل قریب "وادی محسّر" میں پہنچ گیا۔ خدا نے اس کے ناپاک ارادے کو بُری طرح ناکام بنایا اور سمندر کی جانب سے ننھے ننھے پرندوں کے جھنڈ پرے کے پرے بن کر نمودار ہوئے جن کے پنجوں اور چونچوں میں ننھی ننھی کنکریاں تھیں، اور انھوں نے اس ہاتھی سوار

فوج پر کنکریوں کی ایسی بے پناہ اور ہلاکت خیز بارش کی کہ پوری فوج تہس نہس ہو کر رہ گئی، بیشتر تو وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور کچھ بڑی بُری حالت میں عبرتناک موت کے لیے وہاں سے بھاگے۔

رمی جمرات دراصل اسی بے پناہ بارش کی یادگار ہے ——— جمرات پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر خدا کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے کنکریاں مارنا دراصل اس حقیقت سے دنیا کو خبردار کرنا اور اپنے اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ مومنوں کا وجود دنیا میں خدا کے دین کی حفاظت ہے، کوئی طاقت بھی اگر بُری نیت سے اس دین پر نگاہ ڈالنے کی ناپاک جرأت کرے گی اور اس کی جڑوں کو ڈھانے کا ارادہ کر کے اس کی طرف بڑھے گی تو ہم اس کو تہس نہس کر دیں گے۔

رمی کے مسائل

۱۔ رمی کرنا واجب ہے[1]

۲۔ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے، اونچے مقام سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ ہر رمی کے ساتھ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا مسنون ہے۔

۴۔ کنکری اگر جمرہ پر نہ لگے اور نشانہ خطا کر جائے تو کوئی حرج نہیں رمی درست ہے، بشرطیکہ کنکری جمرہ کے قریب کہیں گرے۔

۵۔ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو یعنی پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے

---

[1] امام مالکؒ کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی فرض ہے، اگر یہ رمی ترک کر دی جائے تو حج باطل ہو جائیگا۔

اور پھر گیارہ بارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جائے، اور تیرھویں تاریخ کی رمی صرف مستحب ہے واجب نہیں۔

۶۔ ایک بڑا کنکر توڑ کر سات کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔

۷۔ سات مرتبہ سے زیادہ رمی کرنا مکروہ ہے۔

۸۔ واجب یہ ہے کہ سات کنکریاں سات مرتبہ میں ماری جائیں۔ اگر کوئی شخص ایک ہی مرتبہ میں ایک ساتھ سات کنکریاں مار دے تو یہ ایک ہی رمی قرار پائے گی۔

۹۔ رمی کے لیے مزدلفے سے آتے وقت "وادی محسر" میں سے کنکریاں ساتھ لانا مستحب ہے، جمرہ کے پاس سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے[۱]

۱۰۔ جس کنکری کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ ناپاک ہے اس سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ دسویں تاریخ کی رمی شروع کرتے ہی تلبیہ بند کر دینا چاہیئے۔ بخاری میں

---

[۱] دراصل جمرہ کے پاس وہی کنکریاں رہ جاتی ہیں جو خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتیں اور جو کنکریاں مقبول ہو جاتی ہیں وہ وہاں سے فرشتے اٹھا لے جاتے ہیں۔ لہٰذا رد کی ہوئی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ! ہر سال ہم جن کنکریوں سے رمی کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ کم ہو جاتی ہیں" ارشاد فرمایا "ہاں ان میں جو قبول ہو جاتی ہیں وہ اٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم پہاڑوں کی طرح ان کنکریوں کے ڈھیر دیکھتے" (دار قطنی)

ہے کہ آپ جمرہ عقبہ کی رمی تک لبیک کہتے رہے۔

۱۲۔ دس ذوالحجہ کی رمی کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے زوال تک ہے، اس کے بعد غروبِ آفتاب تک بھی جائز ہے لیکن غروب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے۔ اور باقی تاریخوں میں زوال کے بعد سے غروبِ آفتاب تک، مسنون وقت ہے۔

۱۳۔ رمی کرنے کے لیے ایک شب منیٰ میں گزارنا مسنون ہے۔

۱۴۔ دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد دوسری تاریخوں میں اس ترتیب کے ساتھ رمی کرنا مسنون ہے، پہلے جمرۂ اولیٰ کی رمی کی جائے جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر جمرۂ وُسطیٰ کی اور پھر جمرۂ عقبہ کی۔

۱۵۔ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وُسطیٰ کی رمی پا پیادہ کرنا افضل ہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔

۱۶۔ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد اتنی دیر جس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جا سکے، کھڑا رہنا اور تحمید و تہلیل اور تکبیر اور درود وغیرہ پڑھنے میں مشغول رہنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے۔

۱۷۔ رمی سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آتے وقت کچھ دیر کے لیے محصّب میں قیام کرنا مسنون ہے۔

منیٰ اور مکّے کے درمیان ایک میدان تھا اس کو محصّب کہتے تھے، اب وہ آباد ہو گیا ہے، اور آج کل اس کو معابدہ کہتے ہیں، حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشار کی نماز محصّب میں ادا فرمائی، پھر یہاں کچھ دیر آرام فرمایا اور پھر سوار ہو کر یہاں سے بیت اللہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا[1]

مگر یہاں قیام کی حیثیت صرف سنت کی ہے واجب اور لازم نہیں ہے اگر کوئی قیام نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۸۔ رمی ان تمام چیزوں سے کی جا سکتی ہے، جن سے تیمم کرنا جائز ہے، اینٹ، پتھر، ٹھکری، سنگریزہ، مٹی کا ڈھیلا، مٹی وغیرہ۔ لکڑی اور مشک و عنبر یا جواہرات سے رمی کرنا جائز نہیں۔

رمی کا طریقہ اور دعا

جمرۂ عقبہ کی پہلی رمی شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ ترک کر دینا چاہیے اور پھر رمی شروع کی جائے، رمی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نشیب کے مقام پر کھڑے ہو کر پہلے یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْمًا لِّلشَّیْطٰنِ وَرِضًا لِّلرَّحْمٰنِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا۔

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اللہ سب سے بڑا ہے۔ شیطان کی خواہش کو پامال کرنے اور اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے، اے اللہ!

---

[1] بخاری۔

اس حج کو حج مبرور بنا دے اور گناہوں کو معاف فرما دے اور اس کوشش کو قبول فرمالے۔

پھر کنکری کو انگلیوں کے پوروں میں پکڑ کر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے ہر کنکری مارے اور خوب تاک کر مارے، جمرۂ عقبہ کو پہاڑی کے اوپر سے مارنا، یا بڑی بڑی اینٹوں اور پتھروں سے مارنا یا جمرہ کے پاس کی پڑی ہوئی کنکریوں سے مارنا مکروہ ہے۔

حلق یا تقصیر کے مسائل

حلق کے لغوی معنی ہیں سر منڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں بال کتروانا۔ حلق یا تقصیر حج کے اعمال میں سے ایک لازمی عمل ہے۔

خدا کا ارشاد ہے

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۔ (الفتح: ۲۷)

"تم انشاء اللہ مسجد حرام میں اپنے سر منڈا کر یا بال کتروا کر امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے اور تمہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہو گا"

حلق یا تقصیر دراصل حالتِ احرام سے باہر آنے اور حلال ہونے کا ایک مقررہ شرعی طریقہ ہے۔ اس کی حکمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

"حلق کی حکمت یہ ہے کہ یہ حالتِ احرام سے باہر آنے کا ایک خاص متعین طریقہ ہے، اگر یہ طریقہ مقرر نہ کیا جاتا جو خلاف وقار ہے تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش کے مطابق اپنا احرام ختم کرتا اور احرام سے باہر آنے کے لیے الگ الگ طریقے تجویز کرتا۔"[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔

۱۔ نحر کے دن ۱۰ ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد حلق یا تقصیر کرانا واجب ہے۔

۲۔ مردوں کے لیے حلق اور تقصیر دونوں ہی جائز ہیں لیکن حلق کی فضیلت زیادہ ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرنے والوں کے لیے دو بار مغفرت کی دعا فرمائی اور تقصیر کرنے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی[1]

۳۔ خواتین کو تقصیر ہی کرانا چاہیے، ان کے لیے حلق جائز نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے[2]

۴۔ تقصیر میں مرد پورے سر کے بال ایک ایک انگل کتروا دے تو جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک چوتھائی سر کے بالوں میں سے کچھ حصہ کتروا دے اور خواتین کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے چند بال چوٹی میں سے کتروالیں۔

۵۔ کسی کے سر پر بال بالکل اُگے ہی نہ ہوں یعنی گنجا ہو تو اُس کے لیے صرف اُسترہ سر پر پھیر لینا کافی ہے۔

کسی بال صفا دوا کے ذریعے کوئی اپنے بال صاف کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔

---

[1] ابو داؤد عن عبداللہ ابن عمرؓ۔

[2] جمع الفوائد باب الرمی، والحلق والتحلل۔

حلق یا تقصیر کا عمل کر لینے کے بعد آدمی حالتِ احرام سے باہر آ جاتا ہے اور وہ سارے کام اس کے لیے حلال ہو جاتے ہیں جو احرام باندھنے کے بعد حرام ہو گئے تھے، البتہ بیوی سے مخصوص تعلق ابھی جائز نہیں ہے، یہ تعلق طوافِ زیارت کر لینے کے بعد جائز ہوتا ہے۔

قربانی کا بیان

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی خود مذہب یا انسان کی تاریخ ہے، انسان نے مختلف ادوار میں، عقیدت و نذائیت، سپردگی و جاں نثاری، عشق و محبت، عجز و نیاز، ایثار و قربانی، اور پرستش و عبدیت کے جو جو طریقے اختیار کیے خدا کی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام ہی طریقے اپنی مخصوص اخلاقی اصطلاحات کے ساتھ خدا کے لیے خاص کر دیئے، انسانوں نے اپنے معبودوں کے حضور جان کی قربانیاں بھی پیش کیں اور یہی قربانی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، خدا نے اس کو بھی اپنے لیے خاص کر لیا اور اپنے سوا ہر ایک کے لیے اس کو قطعاً حرام قرار دے دیا۔

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآن پاک میں بھی اس قربانی کا ذکر ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ (المائدہ: ۲۷)

"اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔"

دراصل ایک نے جس کا نام "ہابیل" تھا، دل کی آمادگی سے رضاءِ الٰہی کی خاطر بہترین دُنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام "قابیل" تھا بے دلی سے ناکارہ غلّے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا۔ ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہیں جلایا اور یہ مقبول نہ ہونے کی علامت تھی۔

قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام الٰہی شریعتوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے اور ہر اُمّت کے نظامِ عبادت میں اسے ایک لازمی جُز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ[1]

"اور ہم نے ہر اُمّت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔"

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظامِ عبادت میں موجود رہی ہے، البتہ مختلف زمانوں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے حالات کے پیشِ نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جدا جدا رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات، تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لیے کی جائے اور اسی کا نام لے کر کی جائے۔

---

[1] سورۃ الحج آیت ۳۴۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا [1]

"پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو۔"

جانوروں پر اللہ ہی کا نام لینا بڑا بلیغ اندازِ بیان ہے یعنی ان کو ذبح کرو تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرو اور اسی کے نام پر اسی کی رضا کے لیے ذبح کرو، وہی ہے جس نے تمہارے لیے یہ جانور مہیا کیے ہیں، وہی ہے جس نے ان کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ان میں گوناگوں فائدے رکھے ہیں۔

قربانی ایک عظیم یادگار

اِس وقت، دنیا کے ہر ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبحِ عظیم کا جو منظر پیش ہوتا ہے وہ دراصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم قربانی کے واقعے کو پیش کر کے اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے۔

قربانی دراصل اس عزم ویقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں یہ سب قربان ہونا چاہیے۔ یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیش کش ہے کہ اُس کا اشارہ ہوگا، تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے، اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام ایمان، اسلام اور احسان ہے۔

---

[1] سورۃ الحج آیت ۳۶۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ۝[1]

"پس جب وہ (اسمٰعیلؑ) ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچے تو (ایک دن) ابراہیمؑ نے ان سے کہا، پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں غور کرو اب کیا ہونا چاہیئے بیٹے نے (بلا تامل) کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے، آخر کو جب باپ بیٹے دونوں نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو منہ کے بل (زمین) پر گرا دیا، تو ہم نے ندا دی کہ "اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم احسان کی روش چلنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، دراصل یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی، اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیے میں دے کر ان کو (یعنی اسمٰعیلؑ) کو چھڑا لیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والی امت میں ابراہیمؑ کی

---

[1] الصّٰفّٰت: ۱۰۲ تا ۱۱۱

یہ سنت (یادگار) چھوڑ دی سلام ہے ابراہیمؑ پر ہم اپنے فداکاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"

یعنی رہتی زندگی تک امتِ مسلمہ میں قربانی کی یہ عظیم الشان یادگار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، خدا نے اس فدیے کے عوض اسمٰعیل علیہ السلام کی جان چھڑائی کہ اب قیامت تک آنے والے فداکار ٹھیک اسی تاریخ کو دنیا بھر میں جانور قربان کریں، اور وفاداری اور جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کرتے رہیں قربانی کی یہ بے بدل سنت جاری کرنے والے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام تھے اور اس کو تا قیامت قائم رکھنے والے حضرت محمد صلی علیہ وسلم کی امت کے فداکار ہیں۔

نبیؐ سے خطاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی اور فداکاری کی روح پوری زندگی میں جاری و ساری رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝ (الانعام ۱۶۲-۱۶۳)

"کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔"

خدا پر پختہ ایمان اور اس کی توحید پر یقینِ کامل کے معنی ہی یہ ہیں، کہ آدمی کی ساری تگ و دو اسی کی رضا کے لیے مخصوص ہو اور وہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر کے

اپنے ایمان و اسلام اور وفاداری و جاں نثاری کا ثبوت دے۔

قربانی کا حکم ساری امت کے لیے ہے

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے۔ لیکن رحیم و کریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکے سے دور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں، قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے، اور سارے ہی ذی حیثیت مسلمانوں کے لیے ہے، اور یہ حقیقت احادیث رسولؐ سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی شہادت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک مدینۂ منورہ میں قیام پذیر رہے اور برابر ہر سال قربانی کرتے رہے[1]، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو شخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا "جس نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا اس کو دوبارہ اپنی قربانی کرنی چاہیے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے ٹھیک مسلمانوں کے طریقے کو پالیا"

ظاہر ہے عیدالاضحیٰ کے دن مکے میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس سے پہلے

---

[1] ترمذی، مشکوۃ باب الاضحیہ [2] جمع الفوائد بحوالہ القزوینی کتاب الاضاحی۔

قربانی کرنا سنّتِ مسلمہ ہی نہ کہ ثابت ہوا لامحالہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پیش فرماتے تھے۔ نیز ابن عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں قربانی کیا کرتے تھے۔"

قربانی کے رُوحانی مقاصد

قرآن پاک نے قربانی کے تین اہم مقاصد کی طرف اشارے کیے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قربانی دراصل وہی ہے جو ان مقاصد کا شعور رکھتے ہوئے کی جائے،

۱۔ قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ[1]

"اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے "شعائر اللہ" قرار دیا ہے۔"

"شَعَآئِر" "شَعِیرَۃ" کی جمع ہے، شعیرہ اس محسوس علامت کو کہتے ہیں جو کسی رُوحانی اور معنوی حقیقت کی طرف متوجہ کرے اور اس کی یاد کا سبب اور علامت بنے، قربانی کے یہ جانور اس رُوحانی حقیقت کی محسوس علامتیں ہیں کہ قربانی کرنے والا دراصل ان جذبات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان جانوروں کا خون درحقیقت میرے خون کا قائم مقام ہے، میری جان بھی خدا کی راہ میں اسی طرح قربان ہے جس طرح میں اس جانور کو قربان کر رہا ہوں۔

۲۔ قربانی اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے۔

---

[1] الحج ۳۶۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الحج: ۳۶)

"اسی طرح ان جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔"

خدا نے جانوروں کو انسان کے لیے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان کیا ہے، انسان ان جانوروں سے گوناگوں فائدے اٹھاتا ہے، ان کا دودھ پیتا ہے، ان کے گوشت کو غذا بناتا ہے۔ ان کی ہڈی، کھال اور اُون سے ضرورت کی نوع بنوع چیزیں تیار کرتا ہے، ان سے کھیتی باڑی میں مدد لیتا ہے، ان پر بوجھ ڈھوتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، اور ان کے ذریعے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا ہے، قرآن ان فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور ان کی تسخیر کا ذکر فرما کر خدا پرستی اور احسان مندی کے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے، اور یہ طرزِ فکر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس خدا نے بزرگ و برتر نے یہ عظیم الشان نعمت عطا کی ہے، اسی کے نام پر ان کی قربانی ہونی چاہیئے، قربانی خدا کی عظیم نعمت کا عملی شکر ہے۔

۳۔ قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ [1]

"خدا نے اس طرح چوپایوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس کی بخشی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرو۔"

یعنی ان جانوروں کا خدا کے نام پر ذبح کرنا دراصل اس حقیقت کا اعلان و

---

[1] الحج ۳۷۔

اظہار ہے کہ جس خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے اور جس نے ان کو ہمارے لیے مسخر کر رکھا ہے وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔ قربانی اس حقیقی مالک کا شکر یہ بھی ہے اور اس بات کا عملی اظہار بھی کہ مومن دل سے خدا کی بڑائی، عظمت اور کبریائی پر یقین رکھتا ہے۔

جانور کے گلے پر چھری رکھ کر وہ اس حقیقت کا عملی اظہار و اعلان بھی کرتا ہے اور زبان سے بھی بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

قربانی کی رُوح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں۔ اس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ قربانی، گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لیے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہے۔

قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے، اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے، وہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے، جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی رُوح ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (الحج: ۳۷)

"اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی قیمت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں، خدا کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (المائدہ: ۲۷)

"اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔"

اُونٹ کی قربانی کا رُوحانی منظر

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ[5]

"اور (قربانی کے) اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے خدا پرستی کی نشانی بنا دیا ہے۔ اس میں تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ پس ان کو قطار در قطار کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، اور جب وہ ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں تو خود کھاؤ، اور ان کو بھی کھلاؤ جو مانگنے سے بچتے ہیں اور ان کو بھی جو مانگتے ہیں۔"

اونٹوں کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو ایک قطار میں کھڑا کر کے۔ ور

---

[5] سورہ الحج۔ ۳۶۔

ان کے حلقوم میں نیزہ مارا جاتا ہے، جس سے خون کا ایک فوارہ چھوٹتا ہے، اور جب خون نکل چکتا ہے تو وہ زمین پر گر پڑتے ہیں، قربانی کے اس منظر کو ذرا تصور میں جمائیے اور پھر غور کیجئے جانوروں کی یہ قربانی کیا ہے؟ یہی تو کہ اسی طرح ہماری جانیں بھی، خدا کی جناب میں قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں، دراصل یہ قربانی اپنی جان کی قربانی کے قائم مقام ہے، اس معنویت کے ساتھ اونٹوں کی قربانی پر غور کیجئے —— ان کے زخمی ہونے، خون بہانے، گرنے اور راہِ خدا میں جان دینے کے منظر پر غور کیجئے —— ایسا محسوس ہوگا کہ گویا میدانِ جہاد میں خدا پرستوں کی صفیں بندھی ہوئی ہیں، ان کے حلقوم اور سینوں میں تیر پیوست ہو رہے ہیں، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں، لالہ زار زمین ان کی جاں نثاری کا ثبوت دے رہی ہے اور وہ ایک ایک کر کے خدا کے قدموں میں گر گر کر اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔

قربانی کا طریقہ اور دعا

جانور ذبح کرنے کے لیے اس طرح لٹایا جائے کہ اس کا رُخ قبلے کی جانب رہے، اور چھری خوب تیز کر لی جائے، جہاں تک ہو اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کیا جائے اور کسی وجہ سے ذبح نہ کر سکے تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہے۔

ذبح کرتے وقت پہلے یہ دعا پڑھے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ

صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ۔[1]

"میں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رُخ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ٹھیک اس خدا کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العلمین کیلیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ تیرے ہی حضور پیش ہے اور تیرا ہی دیا ہوا ہے۔"

پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کرے، ذبح کرنے کے بعد یہ کہے:-

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ[2] کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

"اے اللہ! تو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمائی، دونوں پر درود و سلام ہو۔"

---

[1] مشکوٰۃ باب الاضحیہ۔

[2] اگر کسی اور کی جانب سے ذبح کر رہا ہو تو "مِنِّیْ" کہنے کے بجائے "مِنْ" کے بعد اس کا نام لے، اگر ایک شخص ہو تو ایک کا نام لے اور چند ہوں تو چند کا نام لے۔

قربانی کی فضیلت و تاکید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

(۱) "خدا کے نزدیک نحر کے دن (یعنی دسویں ذوالحجہ کو) قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں، اور کھروں سمیت حاضر ہوگا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے لہذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔"[1]

(۲) صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! اس میں ہمارے لیے کیا اجر و ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی، صحابہؓ نے کہا اور اُون کے بدلے یا رسول اللہؐ! فرمایا ہاں اُون کے ہر ہر روئیں کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی۔[2]

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا، فاطمہ! اٹھو اور اپنی

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ۔

[2] ترمذی، ابن ماجہ۔

قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ اس کا جو قطرہ بھی زمین پر گرے گا، اس کے بدلے میں خدا تمہارے پچھلے گناہ بخش دے گا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یہ خوشخبری ہم اہل بیت کے لیے ہی مخصوص ہے یا ساری امت کے لیے ہے؟ ارشاد فرمایا، ہمارے اہل بیت کے لیے بھی ہے اور ساری امت کے لیے بھی۔[1]

(۴) حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن بغیر کچھ تناول فرمائے نماز کو نہیں جاتے تھے، اور عید الاضحیٰ کے دن نماز عید الاضحیٰ پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے،[2] اور جب واپس تشریف لاتے تو قربانی کے جانور کی کلیجی پہلے تناول فرماتے تھے۔

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ البزار۔

[2] ترمذی، احمد۔

قربانی کے احکام و مسائل

قربانی کرنے والے کیلیے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصّے کے بال کاٹے اور مونڈے اور نہ ناخن کتروائے، پھر جب قربانی کا جانور ذبح کرلے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے، یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیرِ ناف کے بال لے۔ خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرلے"[1]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اضحیٰ کے دن (یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو) عید مناؤں، اللہ نے اس دن کو اس اُمّت کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے، ایک شخص

---

[1] مسلم، جمع الفوائد جلد اوّل ص۲۵۱۔

نے پوچھا، یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لیے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں؟ ارشاد فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوا لینا، اپنے ناخن کٹوا لینا، اپنی مونچھیں کترواکر درست کرا لینا، اور زیر ناف کے بال صاف کر لینا، بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔" [1]

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

۱۔ قربانی کے جانور یہ ہیں۔

اونٹ، اونٹنی، دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

اِن جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

۲۔ دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے، ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصہ دار نہیں ہو سکتے۔

۳۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں، سات سے زائد نہیں، [2] مگر اس کے لیے دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک ۱/۷ ہو، اس سے کم کا حصہ دار نہ ہو۔

---

[1] مجمع الفوائد، نسائی، ابوداؤد۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْبَقَرُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ، گائے سات افراد کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے۔ (مسلم)

۳۔ ان دو شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ گائے، بھینس، اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی دو، چار، یا کم و بیش حصے لے، مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کرکے قربانی کریں گے تو یہ درست ہے، اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لیے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کرلیا، تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور اپنی طرف سے ہی کرے، لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوشحال آدمی کو شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو، اگر کسی ایسے شخص کو شریک کرلیا جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو درست نہیں۔

۶۔ گائے، بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کرکے قربانی کرلی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے، جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں، یہ نہیں کہ از خود حصے دار تجویز کرکے قربانی تو پہلے کرلی جائے اور حصے داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

۷۔ بکرا، بکری اور دنبہ بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور گائے بھینس پورے دو سال کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے، دو سال سے کم کے ہوں تو قربانی

درست نہیں اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے، پانچ سال سے کم کا ہو تو اُس کی قربانی درست نہیں۔

۸۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں، یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اُس کی قربانی جائز ہے، البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔

۹۔ اندھے، کانے جانور کی قربانی درست نہیں اور اُس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو، ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی درست ہے۔

۱۰۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو اُس کی قربانی درست نہیں۔

۱۱۔ دُبلے پتلے جانور کی قربانی تو جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا تازہ صحیح سالم اور خوبصورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے، اور اگر جانور ایسا مریل اور دُبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

"حضرت ابو سعیدؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سینگوں والے موٹے تازے دُنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ تھیں۔"[1]

---

[1] ابوداؤد باب مایستحب من الضحایا۔

"حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ "قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُنبے سینگوں والے چت کبرے اور خصی ذبح کیے۔"

۱۲۔ جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہیں، اس کی قربانی درست ہے۔

۱۳۔ جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر چند دانت گرے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۴۔ خصی بکرے اور مینڈھے کی قربانی درست ہے۔ خصی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ جانور کو فربہ کرنے کا ایک سبب ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دُنبے کی قربانی کی ہے۔

۱۵۔ ایک خوشحال آدمی نے، جس پر قربانی واجب تھی، ایک جانور قربانی کے لیے خریدا، خرید لینے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی، تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لیے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

۱۶۔ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی ذبح کر لینا چاہیے۔

قربانی کا حکم

۱۔ قربانی کرنا واجب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کے پاس

حضرت ابوہریرہ رضؓ ہیں۔

"جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"[1]

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا کیا قربانی واجب ہے؟ ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے"

۲۔ قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متمتع پر بھی البتہ مفرد پر واجب نہیں اگر وہ اپنے طور پر کرے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۳۔ زائرین حرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر قربانی واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ خوشحال ہو، خوشحال سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال و اسباب ہو جو اس کی بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو اور اگر ان کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے یعنی جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

۴۔ قربانی صرف اپنی ہی جانب سے واجب ہے، نہ بیوی کی طرف سے واجب ہے نہ اولاد کی طرف سے۔

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ القزوینی۔

۵۔ کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا، تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔

۶۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ خیرات کر دے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کر دے۔

۷۔ کسی نے منّت اور نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کروں گا پھر خدا کے فضل و کرم سے وہ کام ہو گیا تو چاہے یہ شخص خوشحال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہو گئی، اور نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے، قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

۱۔ عید الاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے لیکن قربانی کا سب سے افضل دن عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارھویں تاریخ اور پھر بارھویں۔

۲۔ شہر اور قصبات کے باشندوں کے لیے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔ البتہ دیہات کے باشندے نماز فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

۳۔ شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرا رہے

ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہاں سے نمازِ عید سے پہلے ہی گوشت آجائے، تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

۴۔ ایّامِ قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروبِ آفتاب تک، جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں، دن میں بھی اور رات میں بھی، لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے ہو سکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی درست نہ ہو۔

۵۔ قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوشحال ہونا۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارھویں ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوشحال ہے تو اس پر قربانی واجب ہو گئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

۱۔ قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لیے کافی ہے، البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

۲۔ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے خود ذبح نہ کر سکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے، اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا
" فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ
اس کے ہر قطرہ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں
گے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ ہم اہل بیت کے لیے
ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لیے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لیے
بھی؟ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہمارے لیے بھی ہے
اور سارے مسلمانوں کے لیے بھی ہے[1]"

۳۔ گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی
تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل
کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو حساب سے دے دیں۔

۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب
میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غرباء اور مساکین میں تقسیم
کر دیں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لیے رکھ لیں،
لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات ہی کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی
فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ
آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین میں تقسیم

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ البزار۔

کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۶۔ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اُجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

۷۔ قربانی کی کھال بھی کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جا سکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جا سکتی ہے، یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہیئے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

۸۔ قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے، مثلاً نماز پڑھنے کے لیے جانماز بنوالی جائے یا ڈول وغیرہ بنوالیا جائے۔

۹۔ قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت کھال یا رسّی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسّی، کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہیئے۔

۱۰۔ جس شخص پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جن پر واجب نہیں ہے، ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیئے۔ البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مُردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد و حساب اجر و انعام پانے کے لیے اپنے بزرگوں، یعنی مُردہ ماں باپ، دادا، دادی اور دوسرے

رشتے داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے، اور اپنے محسنِ اعظم
(صلی اللہ علیہ وسلم) جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، کی طرف
سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات یعنی
اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

ہدی کا بیان

ہدی کے لغوی معنی ہیں، تحفہ اور ہدیہ، اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائر حرم قربانی کرنے کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۱۔ ہدی کی تین قسمیں ہیں، اونٹ، گائے اور بکری۔

اونٹ ہدی کی اعلیٰ قسم ہے اور بکری ہدی کی ادنیٰ قسم ہے ——— بھیڑ، دُنبہ وغیرہ بکری کے حکم میں ہیں اور بھینس، بیل وغیرہ گائے کے حکم میں۔

۲۔ ہدی کے جانوروں کی صحت، اور عمر وغیرہ سے متعلق احکام و شرائط وہی ہیں جو قربانی کے جانوروں سے متعلق ہیں[1]

۳۔ ہدی اگر تطوّع کی ہو، جیسے حج افراد کرنے والا اپنی خوشی سے نفلی قربانی پیش کرے، تو اس قربانی کا گوشت ہدی دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے، اسی طرح حج قِران اور حج تمتع کرنے والا بھی اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے، جس طرح عام قربانی کا گوشت خود کھانا جائز ہے، کیونکہ قِران اور تمتع کی ہدی کسی جرم یا کوتاہی کا کفارہ نہیں ہے بلکہ بطور تشکر اللہ تعالیٰ نے قارن اور متمتع پر واجب کیا ہے، اس لیے

---

[1] قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام و شرائط صفحہ ۳۴۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔

قربانی کے گوشت کی طرح اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کے ہر ایک جانور میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوایا اور کھایا اور اس کا شوربا بھی پیا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں منقول ہے، اور (احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حج میں کئی قربانیاں کی تھیں، ظاہر ہے قران یا تمتع کی تو ایک ہی قربانی ہوگی باقی قربانیاں نفلی ہی ہوں گی) اور آپؐ نے جب ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوایا تو معلوم ہوا کہ تمتع، قران اور نفلی ہدایا تینوں ہی کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے)۔

تمتع، قران اور تطوع کے علاوہ کسی ہدی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں۔ چاہے وہ کسی جرم کے کفارے کی ہدی ہو، چاہے نذر و منت کی اور چاہے وہ دم احصار[1] ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حج سے روک دیئے گئے تو آپؐ نے ناجیہ اسلمی کے ہاتھ احصار کی ہدی روانہ کی اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس میں سے تم بھی نہ کھانا اور تمہارے ساتھی بھی نہ کھائیں۔

۵۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز نہیں ہے اس کا سارا گوشت فقراء اور مساکین میں صدقہ کر دینا واجب ہے، حرم کے فقراء کو دیا جائے یا حرم کے باہر کے فقراء کو دونوں کو دینا صحیح ہے، فقراءِ حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے[2]۔

۶۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز ہے اس کا سارا گوشت مساکین میں صدقہ کرنا واجب

---

[1] دیکھیے اصطلاحات صفحہ ۳۰۱۔ [2] عین الہدایہ

نہیں بلکہ مستحب ہے کہ قربانی کی طرح اس کے تین حصے کر لیے جائیں، ایک حصہ
اپنے کھانے کے لیے، ایک حصہ عزیز و اقارب میں تحفہ کے طور پر دینے کے
لیے اور ایک حصہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں۔ اگر کوئی
شخص سارا کا سارا گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دے تب بھی جائز ہے۔

آبِ زمزم اور اُس کے آدابِ دُعا

بیت اللہ سے مشرق کی جانب ایک تاریخی کنواں ہے، جس کو زمزم کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کنوئیں کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے پانی کی بھی بڑی برکت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے جب اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو مکے کے بے آب وگیاہ ریگستان میں لاکر بسایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھا کر اس چٹیل میدان میں ان کے لیے زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں ہے

هِيَ هَزْمَةُ جِبْرِيْلَ وَسُقْيَا إِسْمٰعِيْلَ [1]

"یہ جبریلؑ کا کھودا ہوا کنواں ہے اور اسمٰعیلؑ کا سقاوہ ہے۔"

سعی اور حلق و تقصیر وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد زمزم کا پانی خوب ہی شکم سیر ہو کر پینا چاہیے۔ زمزم کا پانی اس افراط کے ساتھ پینا کہ پسلیاں تن جائیں ایمان کی علامت ہے، ایمان سے محروم منافق اتنا نہیں پی سکتا کہ اس کی پسلیاں تن سکیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک امتیازی علامت یہ ہے

---

[1] دار قطنی۔

کہ منافقین زمزم کا پانی اتنا شکم سیر ہو کر نہیں پیتے کہ ان کی پسلیاں تن جائیں[1]۔

آبِ زمزم کی برکت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"آب زمزم جس مقصد سے پیا جائے، وہ اسی مقصد کے لیے مفید ہو جاتا ہے، شفا کے لیے پیو تو خدا شفا بخشے گا۔ پیٹ بھرنے اور آسودہ ہونے کے لیے پیو تو خدا تمہیں آسودہ کر دے گا۔ پیاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا یہ وہ کنواں ہے جس کو جبریلؑ نے اپنی ٹھوکر کی قوت سے کھودا تھا اور یہ اسمٰعیلؑ کی سبیل ہے[2]۔"

یعنی خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ نے مخصوص طور پر حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کے لیے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں کھودا تھا تاکہ وہ اس سے بھوک پیاس بجھا سکیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"روئے زمین کے ہر پانی سے زیادہ افضل زمزم کا پانی ہے، یہ بھوک کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے[3]۔"

---

[1] ابن ماجہ۔

[2] دارقطنی۔

[3] ابن حبان۔

نیز انہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص زمزم کا پانی اس غرض سے پیے گا کہ دشمن سے پناہ پا لے تو اُسے پناہ حاصل ہو گی"[1]

زمزم کا پانی کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر پینا چاہیے۔ اور خوب ہی جی بھر کر پینا چاہیے۔ پیتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ[2]

"اے اللہ میں تجھ سے علم نافع کا سائل ہوں، کشادہ روزی چاہتا ہوں، اور ہر مرض سے شفا کا طالب ہوں"

---

[1] حاکم۔

[2] نیل الاوطار۔

ملتزم اور اُس کی دُعا

مُلتزم بیت اللہ کی دیوار کے اُس حصّے کو کہتے ہیں جو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان ہے۔ یہ تقریباً چھ فٹ کا حصّہ ہے اور یہ قبولیتِ دُعا کے اہم مقامات میں سے ایک ہے۔ اس سے چمٹ کر گڑگڑانا، سینے اور رُخسار لگا کر انتہائی لجاجت اور عاجزی سے دعائیں مانگنا حج کا ایک مسنون عمل ہے، طواف سے فارغ ہونے کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دعا کرنا، خاص طور پر اس لیے بھی ایک کیفیت پیدا کرتا ہے کہ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کہتے ہیں میرے والد شعیب کا بیان ہے "میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ کے ہمراہ طواف کر رہا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو بیت اللہ سے چمٹتے ہوئے دیکھا، میں نے عبداللہ بن عمرو سے کہا، ہمیں بھی اس جگہ لے چلیے، ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ اسی طرح بیت اللہ سے چمٹیں گے۔ تو انھوں نے کہا "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" پھر جب وہ طواف کر کے فارغ ہوئے تو وہ بیت اللہ کے اس خاص حصّے کو چمٹ گئے جو بیت اللہ اور حجرِ اسود کے درمیان میں ہے، اور کہا خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چمٹتے ہوئے دیکھا ہے"[1]

---

[1] بیہقی۔

اور ابو داؤد کی روایت میں حضرت شعیب کا بیان یوں ہے کہ "عبداللہ ابن عمرو حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے، اور اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اس طرح خوب پھیلا کر (دیوارِ کعبہ پر) رکھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے"[1]

ملتزم کی دعا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا"[2]

ملتزم سے چمٹ کر پہلے یہ دعا پڑھی جائے تو بہتر ہے پھر دین و دنیا کی جو جائز مرادیں چاہے مانگے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يُّوَافِيْ نِعَمَكَ وَيُكَافِيْ مَزِيْدَكَ اَحْمَدُكَ بِجَمِيْعِ مَحَامِدِكَ مَا عَلِمْتُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَعَلٰى جَمِيْعِ نِعَمِكَ مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَعَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اَعِذْنِیْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَاَعِذْنِیْ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِيْهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَكْرَمِ وَفْدِكَ عَلَيْكَ وَاَلْزِمْنِیْ

---

[1] ابو داؤد باب الملتزم۔

[2] ابو داؤد، ابن ماجہ۔

سَبِیْلِ الْاِسْتِقَامَةِ حَتّٰی اَلْقَاكَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(اذکار علامہ نووی)

"اے اللہ! حمد و شکر کا تو ہی مستحق ہے اُس حمد و شکر کا جس سے تیری نعمتوں کا کچھ حق ادا ہو سکے، اور ان نعمتوں پر مزید احسان و انعام کا کچھ بدل بن سکے، میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں تیری ان تمام خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم ہے اور ان خوبیوں کے ساتھ بھی جن کا مجھے علم نہیں، تیری ان تمام عطا کردہ نعمتوں پر جن میں سے کچھ کا مجھے علم ہے اور کچھ میرے دائرۂ علم سے باہر ہیں، اور ہر حال میں تیرا شکر گزار اور تیرا ثنا خواں ہوں، اے اللہ! درود و سلام ہو محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر۔ اے اللہ! مجھے شیطانِ مردود سے اپنی پناہ میں رکھ اور مجھے اپنی پناہ دے ہر بُرائی سے اور تو نے مجھے جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس پر مجھے قانع بنا دے اور میرے لیے اس میں برکت پیدا فرما دے۔"

"اے اللہ! تو مجھے اپنے عزت و اکرام والے مہمانوں میں سے بنا دے اور سیدھے راستے پر اس وقت تک جمے رہنے کی توفیق عطا فرما اے رب العٰلمین! جب کہ میں تجھ سے آکر ملوں۔"

قبولیتِ دُعا کے مقامات

حج کے دوران ہر ہر عمل کرتے ہوئے ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور ہر ہر مقام پر کثرت سے دعائیں کرنا مومن کی شان ہے بالخصوص بعض متعین مقامات پر تو دعاؤں کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب مکے سے بصرے واپس جانے لگے تو آپ نے مکے والوں کے نام ایک خط لکھا جس میں مکے کے قیام کی اہمیت اور فضائل کا ذکر کیا، اور خاص طور پر یہ واضح فرمایا کہ ان پندرہ مقامات پر خصوصیت کے ساتھ بندۂ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے۔

(۱) طواف بیت اللہ میں۔

(۲) میزاب کے نیچے۔

(۳) کعبہ مقدسہ کے اندر۔

(۴) آبِ زمزم کے پاس۔

(۵) صفا کی پہاڑی پر۔

(۶) مروہ پر۔

(۷) صفا اور مروہ کے درمیان جہاں سعی کی جاتی ہے۔

(۸) مقام ابراہیم کے پیچھے۔

(۹) عرفات کے میدان میں۔

(۱۰) مزدلفہ میں (مشعر الحرام کے پاس)۔

(۱۱) منیٰ میں۔

(۱۲) ملتزم سے چمٹ کر۔

(۱۳) جمرات کے پاس۔

(۱۴) جمرات کے پاس۔

(۱۵) جمرات کے پاس۔ [1]

---

[1] الحصن الحصین۔

عُمرہ کے معنی ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا، اور اصطلاحِ شرع میں عمرے سے مُراد وہ چھوٹا حج ہے، جو ہر زمانے میں ہو سکتا ہے، اس کے لیے کوئی مہینہ اور دن مقرر نہیں، جب اور جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں، اور حلق یا تقصیر کرکے احرام کھول دیں۔ عُمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے اور حج سے علیحدہ بھی، عُمرہ کرنے والے کو معتمر کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۹۶)

"اور اللہ کی رضا کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔"

حدیث میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"سب سے بہتر عمل ایمان کی شہادت ہے، اس کے بعد ہجرت اور جہاد کا مرتبہ ہے، پھر دو عمل ہیں جن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ایک حج مبرور اور دوسرا عُمرۂ مبرورہ[1]"

---

[1] مسند احمد۔

عمرۂ مبرورہ کے معنی ہیں وہ عمرہ جو محض خدا کی رضا کے لیے اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ کیا گیا ہو، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرے کی نیت سے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شخص بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں پر فخر کرتا ہے[1]"

اور آپ کا ارشاد ہے

"حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں، یہ اللہ کی دعوت پر آئے ہیں، یہ جو کچھ خدا سے مانگتے ہیں وہ ان کو عطا فرماتا ہے[2]"

نیز فرمایا

"ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے[3]"

عمرہ کے مسائل

۱۔ عمرہ زندگی میں صرف ایک بار سنتِ مؤکدہ ہے، اس کے علاوہ جب بھی کیا جائے باعثِ اجر و برکت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

---

[1] البیہقی، دار قطنی۔

[2] البزار۔

[3] بخاری، مسلم۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "کیا عمرہ واجب ہے؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں البتہ عمرہ کیا کرو اس کی بڑی فضیلت ہے[1]۔"

۲۔ عمرہ کے لیے کوئی مہینہ، دن اور وقت مقرر نہیں ہے، جس طرح کہ حج کے ایام اور اس کے مناسک کے لیے ایام مقرر ہیں، جب اور جس وقت موقع ہو عمرہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری معیت میں حج کرنا[2]۔"

۴۔ عمرے کے لیے میقات حِل ہے، اور سب ہی لوگوں کے لیے ہے، چاہے وہ آفاقی ہوں یا میقات کے اندر حل اور مکے کے رہنے والے[3]۔

۵۔ عمرے کے اعمال صرف یہ ہیں، احرام باندھنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا، مروہ کے درمیان سعی کرنا، اور حلق یا تقصیر کرانا۔

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ ترمذی۔

[2] ابو داؤد، ترغیب اور بخاری کی روایت میں ہے۔ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے۔

[3] حج کی میقات کے والوں کے لیے حرم ہے۔

حج کی تین قسمیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں۔

(۱) حج اِفراد (۲) حج قِران (۳) حج تمتّع۔

حج اِفراد

اِفراد کے لغوی معنی ہیں، اکیلا کرنا، تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاحِ شرع میں اِفراد سے مراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے مراسم ادا کیے جائیں، حج اِفراد کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں، مفرد اِحرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکانِ حج جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں ادا کرے، مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حج قِران

قِران کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا۔ اور اصطلاحِ شرع میں قِران حج اور عُمرے کا اِحرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج قِران کرنے والے کو قارِن کہتے ہیں۔

حجِ قِران، اِفراد اور تمتّع دونوں سے افضل ہے[1]۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"حج اور عمرے کو ملا کر ادا کرو۔ اس لیے کہ یہ دونوں، ناداری اور گناہوں کو (آدمی سے اس طرح) نیست و نابود کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کچیل کو نیست و نابود کر دیتی ہے"[2]

قِران کے مسائل

۱۔ قارِن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عُمرہ، حج کے مہینوں میں کرے۔

۲۔ حجِ قِران میں عمرہ کا طواف حج کے طواف سے پہلے کرنا واجب ہے، اور عمرے کے لیے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لیے الگ[3]۔

۳۔ قِران میں عُمرے کے تمام افعال سے فراغت کے بعد حج کے افعال و مناسک شروع کرنا مسنون ہے۔

۴۔ قارِن کے لیے یہ ممنوع ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلق یا تقصیر کرا لے۔

۵۔ قارِن کے لیے یہ جائز تو ہے کہ وہ عمرے کا طواف اور حج کا طوافِ قدوم

---

[1] امام شافعیؒ کے نزدیک اِفراد افضل ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک تمتّع افضل ہے، اس لیے کہ حجِ تمتّع کا ذکر قرآن میں فرمایا گیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "اگر قربانی کے جانور ساتھ ہوں تو قِران افضل ہے اور جب قربانی کے جانور ساتھ نہ ہوں تو تمتّع افضل ہے۔ [2] ترمذی۔

[3] علماءِ اہلِ حدیث کے نزدیک حجِ قِران میں عمرے اور حج کے لیے ایک ہی طواف اور سعی کافی ہے۔

ایک ساتھ کرلے اور اسی طرح دونوں کی سعی بھی ایک ساتھ کرلے، لیکن ایسا کرنا سُنّت کے خلاف ہے۔

۶۔ حج قِران کرنے والے پر قربانی واجب ہے اور یہ قربانی دراصل اس بات کا شکریہ ہے کہ خدا نے حج اور عمرہ دونوں کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اگر قربانی کرنے کی وسعت نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا واجب ہیں تین روزے تو یوم نحر سے پہلے رکھ لے اور سات روزے ایامِ تشریق کے بعد رکھے۔ قرآن کریم میں ہے

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط (البقرہ: ۱۹۶)

”پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے دورانِ حج میں، اور سات روزے جب تم حج سے فارغ ہو کر لوٹ کر رکھو، یہ سب پورے دس ہوئے۔“

۷۔ حج قِران یا تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں، جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (البقرہ: ۱۹۶)

”(قِران) اُن کیلیے ہے جن کے اہل خانہ مسجد حرام میں نہ رہتے ہوں۔“

جو لوگ میقات کے اندر کے باشندے ہیں ان کے لیے صرف حج افراد ہی ہے۔

حجِ تمتع

تمتع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت تک فائدہ اٹھانا اور اصطلاحِ شرع میں

تمتّع کے معنی ہیں حج تمتّع کرنا۔ حج تمتّع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر اُن ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں، اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے، اس طرح کے حج میں چونکہ عُمرے اور حج کی درمیانی مدت میں احرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے، اسی لیے اس کو حجِ تمتّع کہتے ہیں، قرآن کریم میں ہے

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۔البقرہ

"پس جو شخص حج کے ایام تک اپنے عُمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس پر اس کی وسعت کے مطابق قربانی ہے۔"

حجِ تمتّع، اِفراد سے افضل ہے، اس لیے کہ اس میں دو عبادتیں ایک ساتھ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور کچھ زیادہ مناسک ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حجِ تمتّع کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ لائے، اور دوسری یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ نہ لائے۔ پہلی صورت دوسری سے افضل ہے۔

تمتّع کے مسائل

۱۔ متمتّع کے لیے ضروری ہے، کہ وہ عمرے کا طواف زمانۂ حج[1] میں کرے

---

[1] حج کے مہینے یہ ہیں، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ۔

یا کم از کم طوافِ عمرہ کے اکثر شوط زمانۂ حج میں ادا کرے۔

۲۔ حج تمتع کے لیے ضروری ہے کہ عمرے اور حج کا طواف ایک ہی سال میں کرے، اگر کسی نے ایک سال عمرے کا طواف کیا اور دوسرے سال حج کا طواف کیا تو اس کو متمتع نہیں کہیں گے۔

۳۔ تمتع میں ضروری ہے کہ پہلے عمرے کا اِحرام باندھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا اِحرام باندھنے سے پہلے عمرے کا طواف کر لیا جائے۔

۴۔ متمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرے اور حج کے درمیان المام نہ کرے، المام کے معنی ہیں اُتر پڑنا، اور اصطلاح میں المام سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا اِحرام کھولنے کے بعد اپنے گھر والوں میں جا کر اُتر پڑے، ہاں اگر وہ قربانی کا جانور ہمراہ لایا ہے تو گھر اُتر پڑنے پر بھی حج تمتع صحیح ہوگا۔

۵۔ حج تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہیں، جو لوگ مکے میں یا میقات کے داخلی علاقوں میں رہتے بستے ہیں ان کے لیے تمتع اور قِران مکروہ تحریمی ہے[1]۔

۶۔ حج تمتع کرنے والے کے لیے طوافِ قدوم کرنا مسنون نہیں ہے، اور اُس کو چاہیے کہ طوافِ زیارت میں رمل کرے۔

۷۔ متمتع پر بھی قارن کی طرح قربانی واجب ہے اور مقدور نہ ہو تو پھر دس روزے رکھے، تین حج کے دوران یوم النحر سے پہلے رکھ لے اور سات اس وقت

---

[1] علم الفقہ جلد پنجم۔

رکھے جب حج سے فارغ ہوکر لوٹے یعنی ایام تشریق کے بعد۔

۸۔ حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ہمراہ نہ لایا ہو تو عمرے کی سعی کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام کھول دے اور پھر حج کے لیے جدید احرام باندھے، البتہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہو تو پھر عمرے کی سعی کے بعد حلق وغیرہ نہ کرلے اور احرام باندھے رہے، دسویں ذوالحجہ کو ہدی کی قربانی کرلینے کے بعد احرام سے باہر ہو۔

نبی عربی کا رخصتی حج

صحابیٔ رسولؐ حضرت جابرؓ کی زبان سے

مدینۂ منورہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ آخری صحابی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مدینے میں پھر کوئی صحابی نہ رہا تھا، جب آپ کافی بوڑھے ہو گئے اور نوّے سال سے بھی زیادہ آپ کی عمر ہو گئی تھی، آنکھیں جاتی رہی تھیں، اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علیؒ یعنی امام باقرؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام باقرؒ کہتے ہیں واقعہ یوں تھا کہ ہم چند ساتھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہم میں سے ایک ایک سے اس کا نام اور حال معلوم کیا۔ جب میری باری آئی اور میں نے بتایا کہ میں حضرت حسینؓ کا پوتا ہوں تو نہایت ہی شفقت سے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا پھر میرے کرتے کا اوپر والا بٹن کھول کر اپنا دستِ مبارک میرے گریبان میں ڈالا اور ٹھیک میرے سینے کے بیچ میں رکھا ــــــ ان دنوں میرا عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "خوش آمدید میرے بھتیجے، میرے حسینؓ کی یادگار! کہو کیا پوچھنے آئے ہو؟ بے تکلف پوچھو۔ میں نے پوچھنا شروع کیا، حضرت آنکھوں سے معذور تھے، اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابرؓ

ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی کو لپیٹ کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی، کہ جب وہ اس کو اپنے کندھوں پر ڈالتے تو اس کے کنارے سرک کر پھر ان کی طرف آجاتے، یہ اسی کو اوڑھے رہے حالانکہ ان کی بڑی چادر قریب ہی لکڑی کے اسٹینڈ پر پڑی ہوئی تھی، جب آپ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے بڑھ کر عرض کیا حضرت! ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج وداع (یعنی رخصتی حج) کا مفصل حال سنائیے!

حضرت جابر رضی اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے ۹ تک گنتی کر کے فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آکر رہے تو ۹ سال تک آپؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپؐ نے عام اعلان کرایا، کہ اس سال آپؐ حج کے لیے تشریف لے جائیں گے، یہ اطلاع پاتے ہی بہت بڑی تعداد میں لوگ مدینے آکر جمع ہونے لگے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ اس مبارک سفر میں آپؐ کے ہمراہ جائے اور آپؐ کی پیروی کرے اور وہی کچھ کرے جو آپؐ کو کرتے دیکھے۔

آخر کار مدینے سے روانہ ہونے کا وقت آیا اور یہ پورا قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا! اور اس دن قافلے نے اسی مقام پر قیام کیا۔

یہاں ایک خاص واقعہ یہ پیش آیا کہ قافلے کی ایک خاتون اسمار بنت عمیس یعنی بیگم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی (جس کا نام محمد رکھا گیا) اسمار بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرایا کہ ایسی حالت

میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا، اسی حالت میں احرام کے لیے غسل کر لو، اور اس حالت میں جس طرح خواتین لنگوٹ باندھتی ہیں تم بھی لنگوٹ باندھے رہو اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی، پھر آپؐ اپنی قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی آپؐ کو لے کر قریب کے بلند میدان بیدار پہ پہنچی، بیدار کی بلندی سے جب میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے آگے پیچھے، دائیں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آئے، کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل، خدا کے رسولؐ ہمارے درمیان میں تھے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور آپؐ قرآن کے مفہوم اور مطلب کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا حکم خداوندی کے تحت آپؐ جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لوگ بھی وہی کرتے، یہاں پہنچ کر آپؐ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ پڑھا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

"تیرے حضور حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور حاضر ہوں تیری پکار پر تیرے در پہ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام کرنا تیرا ہی حق ہے، اقتدار تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

آپؐ کے رفقاءِ سفر نے بھی بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا اضافہ تھا) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی۔ البتہ آپؐ اپنا وہی تلبیہ برابر پڑھتے رہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیشِ نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں، بیت اللہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین چکروں میں آپؐ نے رمل فرمایا، پھر چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے، پھر آپؐ مقامِ ابراہیمؑ پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ (البقرہ: ۱۲۵)

"اور مقامِ ابراہیمؑ کو اپنے لیے عبادت گاہ قرار دے لو"

پھر آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقامِ ابراہیمؑ آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا۔ یہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ان دو رکعتوں میں آپؐ نے "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت فرمائی۔ پھر آپؐ حجرِ اسود کے پاس لوٹ کر آئے، حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفا کے بالکل قریب پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۵۸)

"بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں"

اور فرمایا

اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ میں صفا سے اپنی سعی شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے اس آیت میں اس کے ذکر سے شروع کیا ہے۔ پس آپؐ پہلے

صفا پر آئے، اور صفا پر اتنے اونچے تک چڑھے کہ بیت اللہ آپؐ کو صاف نظر آنے لگا اور آپؐ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ توحید اور تکبیر میں مصروف ہو گئے، اور آپؐ نے پڑھا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کے لیے ہے، حمد و شکر کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا (اور دین کو سارے عرب میں غالب فرما دیا) اپنے بندے کی اس نے پوری پوری مدد فرمائی۔ اور کفر و شرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی۔"

تین بار آپؐ نے یہ کلمات دُہرائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ پھر آپؐ صفا سے نیچے آئے، اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا، یہاں تک کہ آپؐ آخری چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپؐ نے اپنے رفقاء سفر سے خطاب فرمایا۔ آپؐ اوپر مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب میں تھے "اگر مجھے اس بات کا احساس پہلے ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو عمرے کی سعی و طواف قرار دے کر اس کو عمرہ بنا لیتا اور احرام کھول دیتا۔ (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اس طواف اور سعی کو عمرہ کا طواف قرار دے

کر حلال ہو سکتے ہیں۔

یہ سُن کر سُراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے، اور پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا یہ اب ہمیشہ کے لیے ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا، عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہو گیا[2] صرف اسی سال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اور حضرت جابرؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا) علیؓ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو گئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سُرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات کچھ غیر مناسب معلوم ہوئی، اور ناگواری کا اظہار کیا، تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، مجھے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا، (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احرام ختم کیا ہے)۔

---

[1] اہل مکہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں مستقل طور پر عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات تھی۔ اب جو سُراقہ ابن مالک نے دیکھا کہ ایامِ حج میں اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دیا جا رہا ہے تو انہوں نے سوال کیا کہ کیا اب ایسا ہی حکم ہمیشہ کے لیے ہے یا یہ حکم خاص طور پر صرف اسی سال کے لیے ہے۔

[2] یعنی ایامِ حج میں عمرہ کرنا، اور حج کے ساتھ ایک ہی سفر میں عمرہ کرنا بالکل درست ہے، اس کو غلط سمجھنا اور گناہ قرار دینا سراسر غلط ہے اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا، جب تم نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا تو کیا نیت کی؟ (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی)، علی رضؓ نے جواب میں کہا، میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اسی چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، میں تو چونکہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لیے میرے لیے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہٰذا تمہارے لیے بھی احرام کھول کر حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابر رضؓ کہتے ہیں کہ ہدی کے اونٹ جو علی رضؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب سو تھے[1] سارے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دیئے اور اپنے بال کٹوا کر حلال ہو گئے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترویہ آیا، (یعنی ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ ہو گئی)، تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور (ان) لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپ

---

[1] بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ۶۳ اونٹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ لائے تھے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی رضؓ اپنے ساتھ یمن سے لے کر آئے تھے۔

نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد آپ منیٰ میں کچھ دیر اور ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور آپؐ نے حکم دیا کہ "نمرہ"[۱] کے مقام پر آپؐ کے لیے صوف کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمیشہ سے قریش کرتے رہے تھے، لیکن آپ مشعر الحرام کے حدود سے آگے نکل آئے، اور میدانِ عرفات کی حدود میں آئے۔ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ "نمرہ" کے مقام پر آپؐ کے لیے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپؐ نے اسی خیمے میں قیام فرمایا۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا، تو آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کی اونٹنی "قصواء" پر کجاوا کس دیا جائے، چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور "وادی عرنہ" کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطاب کیا۔

---

[۱] نمرہ دراصل وہ سرحدی مقام ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوتی ہے اور عرفات کی حد شروع ہوتی ہے، زمانۂ جاہلیت میں قریش کے لوگ حرم کے حدود میں مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور عام لوگ میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، اس لیے قریش کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ وقوف فرمائیں گے لیکن آپؐ نے وقوف کے اصل مقام پر ہی اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم پہلے ہی سے دے دیا تھا۔

"لوگو! ناحق کسی کا خون بہانا اور ناروا طریقے پر کسی کا مال لینا، تمہارے لیے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں تمہارے لیے حرام ہے (اور تم حرام سمجھتے ہو)۔

خوب سمجھ لو کہ دورِ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کا خون معاف ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لیے رہا کرتے تھے۔ ان کو قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور دورِ جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے۔ اور اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قیدِ نکاح میں لیا ہے، اور ان سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور قانون ہی کے ذریعے تمہارے لیے حلال ہوئی ہے۔ تمہارا ان پر خاص حق یہ ہے کہ جس شخص کا تمہیں اپنے گھر میں آنا ناپسند ہو ان کو وہ تمہارے بستر پہ بیٹھنے کا موقع نہ دیں؛

اور اگر وہ یہ خطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کے لیے تم ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے ان کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرو۔ اور میں تمہارے درمیان وہ سرچشمۂ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہے، تو کبھی تم راہِ حق سے نہ بھٹکو گے —— یہ سرچشمۂ ہدایت ہے " اللہ کی کتاب "

اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا (کہ میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا یا نہیں ؟) بتاؤ تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے ؟

حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپؐ نے سب کچھ پہنچا دیا، اور آپؐ نے نصح و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اس پر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی پھر لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے، اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا "

پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور اقامت کہی، اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد

آپؐ ٹھیک اس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رُخ اُدھر موڑ دیا جدھر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپؐ کے سامنے ہوگیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپؐ قبلہ رو ہوگئے، اور آپؐ نے وہیں وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب کے غروب کا وقت آگیا اور شام کی زردی بھی ختم ہوگئی اور سورج بالکل غروب ہوگیا تو اس وقت آپؐ (عرفات سے مزدلفے کی طرف) روانہ ہوئے اور اُسامہ بن زید کو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور آپؐ مزدلفے آپہنچے۔ یہاں آکر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کے لیے الگ الگ، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپؐ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور فجر کا وقت ہوگیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپؐ نے اذان اور اقامت کہلوا کر فجر کی نماز اوّل وقت ادا فرمائی، نمازِ فجر سے فارغ ہوکر آپؐ مشعر الحرام کے پاس تشریف لائے۔ یہاں آکر آپؐ قبلے کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوئے اور دُعا، تکبیر، تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہوگئے اور دیر تک مصروف رہے، جب خوب اُجالا ہوگیا تو طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپؐ وہاں سے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے، اور اس وقت آپؐ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کرلیا اور روانہ ہوئے۔ جب آپؐ "وادیٔ محسّر" کے درمیان پہنچے تو آپؐ نے اپنی اونٹنی کو ذرا تیز کردیا۔ پھر محسّر سے نکل کر آپؐ اس درمیانی راستے سے چلے جو بڑے جمرے کے پاس جاکر نکلتا ہے، پھر اس جمرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے

پاس ہے آپؐ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اس پر پھینک کر ماریں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے آپؐ "اللہُ اَکبر" کہتے جاتے تھے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح تھیں ـــــ آپؐ نے نشیبی مقام سے جمرہ پر یہ رمی کی، جب آپؐ رمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے، اور باقی اونٹ حضرت علی رضؓ کے حوالے کیے جن کی قربانی حضرت علی رضؓ نے کی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے ہدایا کے اونٹوں میں شریک فرمایا، پھر آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لیا جائے۔ چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس گوشت میں سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طواف زیارت کے لیے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر کی نماز آپؐ نے مکے میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر آپؐ (اپنے اہلِ خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا، ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا، کہ (مجھے دیکھ کر) دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمہارے ساتھ زمزم سے ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپؐ کو ڈول بھر کر دیا تو آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا[1]

---

[1] مسلم عن جعفر بن محمد عن ابیہ۔

جنابت کا بیان

جنایت کے لغوی معنی ہیں، کوئی حرام کام کرنا، گناہ کرنا، وغیرہ لیکن حج کے باب میں جنایت سے مُراد کوئی ایسا کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا احرام باندھ لینے کی وجہ سے حرام ہو، اس طرح جنایت کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں۔

(۱) جنایتِ حرم۔

(۲) جنایتِ اِحرام

آدمی سے کوئی ایسا کام سرزد ہوجائے جو حدودِ حرم میں حرام ہے یا کوئی ایسا کام سرزد ہوجائے جو حالتِ اِحرام میں حرام ہے دونوں کی تلافی کے لیے کفارے اور قربانی کے کچھ الگ الگ احکام ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

حرم مکہ اور اس کی عظمت

روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ قابلِ احترام وہ عمارت ہے جس کو خدا نے "اپنا گھر" قرار دیا ہے، جو توحید اور نماز کا مرکز ہے، اور روئے زمین پر وہ سب سے پہلی عمارت ہے جس کو خدا کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے اور

ساری انسانیت کا مرجع اور پناہ گاہ ہے۔

پھر یہ بیت اللہ جس مبارک مسجد کے درمیان میں واقع ہے، اس کو مسجد الحرام (یعنی قابلِ احترام مسجد) کہا گیا ہے، اور اس کو دنیا کی تمام مسجدوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اصل مسجد قرار دیا گیا ہے، روئے زمین کی دوسری مسجدوں میں اسی لیے نماز صحیح ہے کہ وہ اس مسجدِ حرام کی قائم مقام ہیں اور اسی کی طرف ان سب کا رُخ ہے۔ مسجد الحرام کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنے والے کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے[1]

خدا کا گھر اور مسجد الحرام، جس مبارک شہر میں واقع ہے اس کو "بلد اللہ الحرام" (اللہ کا حرمت والا شہر) کہا گیا ہے، اور خدا کے رسول ؐ نے اس کو روئے زمین کے تمام شہروں سے بہتر اور اللہ کی نظر میں تمام بستیوں سے زیادہ محبوب بتایا ہے، نیز آپ ؐ نے اس کو نہایت پاکیزہ، دل پسند اور اپنا محبوب ترین شہر قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت اختیار نہ کرتا[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس شہر مکہ ہی کو حرم قرار دیا ہے بلکہ اس کی ہر ہر سمت میں کئی کئی کلومیٹر کے علاقے کو حدودِ حرم میں داخل فرما کر "حرم" (یعنی واجب الاحترام علاقہ) قرار دے دیا ہے، اور اس کی عظمت و احترام کے کچھ آداب و احکام مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان حدود میں بہت سے وہ کام اس علاقے کی حرمت

---

[1] ابن ماجہ [2] جامع ترمذی۔

کے تعلق سے حرام اور ناجائز ہیں جو باقی ساری دنیا میں جائز اور مباح ہیں۔

حرم کے حدود پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مقرر فرمائے تھے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ یہ حدود معلوم اور معروف ہیں۔ مدینے کی جانب تقریباً ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی سمت میں تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے، اور جدّے کی طرف تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اپنے دور میں اس حد بندی کی تجدید فرمائی اور اب یہ حدود معلوم و معروف ہیں۔ حدودِ حرم کی عظمت و عزت، خدا اور اس کے دین سے تعلق اور وفاداری کی علامت ہے اور اُمت بحیثیت مجموعی جب تک اس عظمت و احترام کو باقی رکھے گی اس پر خدا کی حفاظت اور رحمت کا سایہ ہوگا اور وہ دنیا میں رفعت اور سربلندی کی زندگی گزارے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"میری یہ امت جب تک حرمِ مقدس کی عظمت و احترام کا حق ادا کرتی رہے گی، بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احترام اور اس کا احساس ضائع کر دے گی، تباہ و برباد ہو جائے گی"[1]

---

[1] ابن ماجہ۔

جنایاتِ حرم

۱۔ حرم کی خودرو گھاس، پیڑ، پودے اور ہرا بھرا سبزہ کاٹنا یا اکھاڑنا جنایت ہے، اگر یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ اس کی قیمت راہِ خدا میں خرچ کر دی جائے، اور اگر یہ کسی کی ملکیت ہوں تو پھر دوگنی قیمت ادا کرنا واجب ہے، صدقہ بھی کرنا ہوگا اور مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی۔

۲۔ اِذخر[1] کاٹنے یا اکھاڑنے کی اجازت ہے۔ حضرت عباس رضؓ کے مطالبے پر آپؐ نے اِذخر کاٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

۳۔ خودرو پودے چاہے وہ جھاڑ جھنکاڑ ہی کیوں نہ ہوں اُن کا ٹنا یا اکھاڑنا بھی جنایت ہے۔

۴۔ جو پیڑ پودے خودرو نہ ہوں بلکہ بوئے اور لگائے گئے ہوں اُن کو توڑنا جنایت نہیں، اسی طرح کسی درخت کے چند پتے توڑنا بھی جنایت نہیں بشرطیکہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں، اگر کسی کی ملکیت ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے جائیں، ہاں مالک خود توڑے تو جنایت نہیں ہے۔

۵۔ حرم کے شکار کا قتل کرنا بھی جنایت ہے، قتل کرنے والے کو اس کا تاوان دینا ہوگا

۶۔ حرم کے پرندے کے انڈے توڑنا یا بھون لینا بھی جنایت ہے،

---

[1] ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے جس کو لوہار لوگ بھی استعمال کرتے تھے اور چھتوں پر بھی ڈالی جاتی تھی۔

اسی طرح حرم کی ٹڈیاں مارنا بھی جنایت ہے۔

۷۔ اگر کسی کے پاس کوئی شکار ہو اور وہ شخص حرم میں داخل ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے، ہاں اگر شکار رسی میں بندھا ہوا ہو اور رسی اس کے ہاتھ میں ہو، یا شکار کسی پنجرے اور کٹھرے میں بند ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

۸۔ میقات سے احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا بھی جنایت ہے، اور ایسے شخص پر ایک قربانی واجب ہے۔

۹۔ حرم کے حدود میں ان جانوروں کا مارنا جنایت نہیں، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا یعنی بلوں میں رہنے والے جانور، کچھوا، چھپکلی، مچھر، کھٹمل، پسو، مکھی، بھڑ، چیونٹی اور وہ جانور جو حملہ کریں اور ان کے حملے سے بچنے کے لیے ان کو مار ڈالنا ناگزیر ہو۔

۱۰۔ حرم سے باہر حلق یا تقصیر کرانا بھی جنایت ہے اور اس سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

جنایاتِ احرام

احرام کی جنایات تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔

(۱) جن میں دو قربانیاں واجب ہیں۔

(۲) جن میں صرف ایک قربانی واجب ہے۔

(۳) جن میں صرف صدقہ واجب ہے۔

وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں

۱۔ مرد اگر کوئی گاڑھی خوشبو یا گاڑھی مہندی سر میں لگالے اور ایک شب روز وہ لگی رہے، پورے سر میں لگائے یا چوتھائی سر میں اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی، البتہ کوئی خاتون ایسا کرے تو ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔

۲۔ وہ ساری جنایات جن سے حجِ اِفراد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے ان سے قارن پر دو قربانیاں واجب ہوتی ہیں۔

۳۔ حجِ تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو، تو اس پر ان ساری جنایات میں دو قربانیاں واجب ہوں گی جن سے مُفرِد پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔

وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے

صرف دو صورتوں میں اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے اس کے علاوہ جہاں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے اس سے مُراد بکری یا بھیڑ کی قربانی ہے۔

۱۔ طوافِ زیارت اگر کوئی جنابت کی حالت میں کرلے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

۲۔ وقوفِ عرفات کے بعد طوافِ زیارت اور حلق یا تقصیر سے پہلے اگر مباشرت کرلی تو اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

ان دو صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں بکری یا بھیڑ کی قربانی واجب ہوگی۔

۳۔ "طواف کے واجبات"[1] میں سے کوئی بھی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

ممنوعاتِ احرام سے بچنا بھی طواف کے واجبات میں سے ہے، ان میں سے بعض ممنوعات میں وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ان کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۴۔ اگر زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو ایک قربانی واجب ہے اور اگر تھوڑی خوشبو استعمال کی لیکن جسم کے کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، ہاتھ، پیر وغیرہ پر مَلی تب بھی ایک قربانی واجب ہے۔

۵۔ اگر ایک ہی مجلس میں پورے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی قربانی واجب ہے اور اگر مختلف مجلسوں میں پورے بدن پر لگائی تو ہر مرتبہ کے عوض قربانی واجب ہوگی۔

۶۔ خوشبو لگانے کے بعد قربانی تو کر لی لیکن خوشبو زائل نہیں کی تو پھر قربانی کرنا ہوگی۔

۷۔ خوشبو دار لباس پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۸۔ رقیق مہندی سر، داڑھی یا ہاتھ پیر میں لگائی تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

---

[1] طواف کے واجبات صفحہ ۳۰۶ پر دیکھیے۔

۹۔ سلے ہوئے کپڑے پہننے میں قربانی واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہے، اس سے کم وقت پہننے سے قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ صرف صدقہ واجب ہوگا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو رواج کے مطابق پہنے اگر کوئی اپنا کرتہ یا شیروانی یونہی کندھے پر ڈال لے اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو کوئی جنایت نہیں ہے۔

نجاستِ حکمی سے پاکی حاصل کیے بغیر طواف کرنے میں بھی وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں، ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ طوافِ زیارت کے علاوہ کوئی بھی طواف حالتِ جنابت میں کیا جائے ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۱۔ طوافِ زیارت حدثِ اصغر کی حالت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔ اور عمرے کا طواف بھی حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۲۔ طوافِ زیارت کے زیادہ سے زیادہ تین شوط ترک کر دینے سے قربانی واجب ہے اور اگر تین شوط سے زیادہ ترک کر دیئے تو پھر قربانی سے اس کی تلافی نہ ہوگی بلکہ دوبارہ طواف کرنا ہوگا۔

۱۳۔ واجباتِ حج[1] میں سے کوئی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

---

[1] حج کے واجبات صفحہ ۳۱۱ پر دیکھیے

۱۴۔ مُفرِد حلق یا تقصیر یا طوافِ زیارت دسویں ذوالحجہ کے بعد کرے تو قربانی واجب ہوگی۔

۱۵۔ قارن ذبح سے پہلے یا رمی سے پہلے حلق کرالے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے

۱۔ خوشبو کا استعمال اس مقدار میں کیا جائے جس سے قربانی واجب نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں صدقہ[1] واجب ہوگا، مثلاً ایک عضو سے کم میں خوشبو لگائی، یا لباس میں ایک بالشت مربع سے کم جگہ میں لگائی یا زیادہ لگائی لیکن لباس کو پورے ایک دن یا پوری ایک رات استعمال نہیں کیا۔

۲۔ سِلا ہوا لباس ایک دن یا ایک رات سے کم پہنا یا اتنے ہی وقت کے لیے سر ڈھانک لیا تو ایک صدقہ واجب ہوگا۔ اور اگر معمولی سے وقت کے لیے سر ڈھانکا یا سلا ہوا کپڑا پہنا مثلاً ایک گھنٹے سے بھی کم تو ایک مٹھی آٹا دینا کافی ہے۔

۳۔ طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا اور کوئی نفلی طواف حدث اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

---

[1] صدقہ سے مُراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے جو اسی روپے والے سیر کے حساب سے ایک کلو ایک سو دس گرام (۱۰۱۱۰) کے برابر ہے، (علم الفقہ جلد ۴ صفحہ ۱۵) اور بہشتی زیور میں ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک بتایا گیا ہے۔

۴۔ طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا سعی کے تین یا تین سے کم شوط ترک کر دیئے تو ہر شوط کے عوض ایک صدقہ واجب ہو گا۔

۵۔ ایک دن میں جس قدر رمی واجب ہیں ان میں سے آدھی سے کم ترک کر دے مثلاً ۱۰ ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کی سات رمی واجب ہیں، ان میں سے کوئی شخص تین رمی ترک کر دے تو ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ واجب ہو گا۔

۶۔ کسی دوسرے شخص کے سر یا گردن کے بال بنا دیئے، چاہے یہ دوسرا شخص مُحرِم ہو یا غیر مُحرِم، ایک صدقہ واجب ہو گا۔

۷۔ پانچ ناخن کٹوائے یا پانچ سے زیادہ لیکن کسی ایک ہاتھ پیر کے نہیں بلکہ متفرق طور سے کٹوائے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہو گا۔

اصولی ہدایات

۱۔ اگر ایک ہی صدقے کی قیمت یا چند واجب صدقات کی قیمت ایک قربانی کے برابر ہو جائے چاہے قربانی کے جانور ارزاں ہونے کی وجہ سے ہو یا چند صدقات کی قیمت اتنی ہو جائے کہ قربانی کے برابر ہو جائے تو اس قیمت میں سے اتنی رقم کم کر لینا چاہیے کہ بقیہ رقم قربانی کی قیمت سے کم رہ جائے۔

۲۔ حج کے واجبات میں سے کوئی واجب اگر کسی عذر کے بغیر ترک کیا جائے تو قربانی واجب ہے اور اگر عذر[1] کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو نہ قربانی

---

[1] عذر کی مثالیں، بخار، سردی کی شدت، زخم، سر میں درد وغیرہ، پھر عذر میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت رہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔

واجب ہے اور نہ صدقہ۔

۳۔ احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں ان کو کر لینے سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ۔ (جیساکہ جنایات کی اقسام سے واضح ہوا۔) قربانی واجب ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ قربانی کے بجائے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ[1] دے دیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب اور جہاں چاہے صرف تین روزے رکھ لے۔

صدقہ واجب ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ صدقے کے بجائے ایک روزہ رکھ لے۔

---

[1] صدقہ سے مراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے۔

شکار کی جزا

شکار ——— ممنوعاتِ احرام میں سے وحشی جانور کا شکار بھی ہے، وحشی جانور کا شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے، وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے، جزا کے لغوی معنی بدلے کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو منصف مزاج، صاحب نظر افراد تجویز کریں، قرآن پاک میں ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖؕ (المائدہ: ۹۵)

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار مت مارو، اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے اور یہ ہدی کعبہ بھیجی جائے گی یا اس جنایت کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھ لے۔"

اس آیت میں جس شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے، بحری شکار حالتِ احرام میں جائز ہے، چاہے اس کا کھانا جائز ہو یا نہ ہو، قرآن کی صراحت ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ (المائدہ: ۹۶)

"تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لیے زادِ راہ کے طور پر بھی البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔"

شکار اور جزا کے مسائل

۱۔ خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے، جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

۲۔ اگر کئی محرم مِل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہو گی۔

۳۔ اگر ایک محرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

۴۔ صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے، پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ کو مار دے تو اس سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

۵۔ جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے وہ چاہے کتنے ہی بڑے ہوں ان کی جزا بکری ہی ہوگی۔ مثلاً کسی نے ہاتھی کو مارا تو اس کی جزا بکری ہی ہوگی۔

۶۔ جوئیں یا ٹڈی اگر تین سے زیادہ مارے یا کسی کو مارنے کا حکم دے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا، اور تین یا تین سے کم مارے تو جو چاہے صدقہ دے۔

۷۔ شکار اگر کسی کی ملکیت ہو تو دوہری قیمت ادا کرنا ہوگی، راہ خدا میں جزا تو دے گا ہی، اس شخص کو بھی مجوزہ قیمت دینا ہوگی، جس کا شکار مارا ہے۔

۸۔ شکار جہاں مارا گیا ہے اور جس وقت مارا گیا ہے اسی مقام اور اسی وقت کی قیمت واجب ہوگی، نہ کسی دوسرے مقام کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور نہ دوسرے وقت کی قیمت کا، اس لیے کہ قیمتیں وقت اور مقام کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں۔

۹۔ جزا دینے میں یہ بھی اختیار ہے کہ شکار کے ہم پلّہ مجوزہ جانور خرید کر حرم بھیج دے جو وہاں ذبح کیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس قیمت سے غلہ وغیرہ خرید کر ہر مسکین کو ایک صدقۂ فطر کے بقدر دے دے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کے صدقۂ فطر کے بدلے ایک روزہ رکھ لے، اور اگر مجوزہ قیمت میں قربانی کا جانور نہ خریدا جا سکتا ہو تو پھر دو ہی صورتیں ہیں ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے بقدر دے یا ہر صدقہ کے عوض میں روزہ رکھے۔

۱۰۔ اگر شکار کی مجوزہ قیمت اتنی بھی نہیں ہے کہ ایک صدقۂ فطر کے بقدر

غلہ آ سکے تو پھر جتنا مل سکے وہ صدقہ کر دے یا ایک روزہ رکھ لے۔

۱۱۔ جزا کے عوض میں جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کا حکم اور مصارف بالکل وہی ہیں جو صدقہ فطر کے ہیں۔

اِحصار کا بیان

اِحصار کے لغوی معنی ہیں روکنا، منع کرنا، باز رکھنا اور اصطلاحِ فقہ میں احصار یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

احرام باندھنے کے بعد حج سے رُک جانا اور حج یا عمرہ نہ کرسکنا بھی گو نہ جنایت ہے، اس لیے محصر پر واجب ہے کہ وہ اس اِحصار کے بدلے حسبِ مقدور قربانی دے، اِس کو دمِ اِحصار کہتے ہیں، قرآن میں ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط[1]

"اللہ کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اسے پُورا کرو۔ اور اگر کہیں گھِر جاؤ اور رُک جانا پڑے تو جو قربانی میسر آئے اللہ کے حضور پیش کرو اور اپنے سروں کی تحلیق نہ کراؤ جب تک کہ ہدی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔"

---

[1] البقرہ آیت ۱۹۶۔

احصار کی چند صورتیں

احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے اور حج یا عمرہ نہ کر سکنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ راہ پُرامن نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، قتل و غارت کا خوف ہو، راہ میں کوئی درندہ ہو، یا اور کسی طرح کا جان و مال کا واقعی خطرہ ہو۔

۲۔ مرض لاحق ہو جائے، یہ اندیشہ ہو کہ آگے بڑھنے میں مرض بڑھ جائے گا، یا ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی سکت ہی نہ ہو۔

۳۔ احرام باندھنے کے بعد عورت کے ہمراہ کوئی مُحرم نہ رہے، بیمار ہو جائے، وفات پا جائے، یا جھگڑا ہو جائے اور وہ ساتھ جانے سے انکار کر دے، یا اس کو کوئی جانے سے روک دے۔

۴۔ سفر خرچ نہ رہے، گم پڑ جائے یا چوری ہو جائے۔

۵۔ راستہ بھول جائے اور کوئی راستہ بتانے والا نہ مل سکے۔

۶۔ کسی خاتون کی عدت شروع ہو جائے، مثلاً شوہر طلاق دے دے یا احرام باندھنے کے بعد وفات پا جائے۔

۷۔ کسی خاتون نے شوہر کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو اور احرام باندھ لینے کے بعد شوہر منع کر دے۔

ان تمام صورتوں میں احرام باندھنے والا مُحصر ہو جائے گا۔

احصار کے مسائل

۱۔ احصار کی صورت میں محصر حسبِ حیثیت اونٹ، گائے، بکری، جو

بھی میسر ہو خرید کر حرم بھیج دے یا قیمت بھیج دے کہ اس کی طرف سے وہاں قربانی کر دی جائے۔

۲۔ اِحصار کی قربانی واجب ہے، اور جب تک محصر کی جانب سے حرم میں قربانی نہ ہو، محصر اِحرام ختم نہ کرے۔ قربانی کا جانور یا رقم بھیجتے وقت ذبح کا دن مقرر کر دے تاکہ اس دن یہ اپنا اِحرام ختم کر دے۔

۳۔ عمرے یا حج اِفراد سے روکا گیا ہو تو ایک قربانی اور قران یا تمتّع سے روکا گیا ہو تو دو قربانیاں بھیجے۔

۴۔ اِحصار کی قربانی کا گوشت محصَر کے لیے کھانا جائز نہیں اس لیے کہ یہ گونہ جنایت کی قربانی ہے۔

۵۔ قربانی کا جانور بھیج دینے کے بعد رکاوٹ ختم ہونے کی صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ محصر قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے ہی مکّے پہنچ جائے گا اور حج کی سعادت بھی حاصل کر سکے گا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً حج کے لیے روانہ ہو جائے۔ ہاں اگر قربانی سے پہلے پہنچنے اور حج ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو، تو پھر روانہ ہونا واجب نہیں۔

حجِ بدل

حجِ بدل کا مطلب ہے اپنے بدلے اپنے مصارف پر دوسرے سے حج کرانا، ایک شخص پر حج تو فرض ہے لیکن وہ کسی بیماری، معذوری یا مجبوری کی وجہ سے خود نہیں کر سکتا، تو اس کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو

اپنا قائم مقام بنا کر حج کے لیے بھیج دے اور وہ شخص اس کے بجائے حج کر لے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو رزین رض نے کہا

"یا رسول اللہ! میرے والد بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ وہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ اور نہ سواری پر بیٹھنے کی ان میں سکت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر لو۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بارے بھی حج ادا کرنا درست ہے، اور جو شخص خود اپنا فرض حج ادا نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو بھیج کر اپنا فریضہ ادا کر سکتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں اپنا فریضہ ادا کرانا ہی چاہئے۔ یہ خدا کا قرض ہے اور جو شخص کسی کو بھیجنے کا موقع نہ پا سکے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے بعد اس کے مال میں سے حج بدل کرا دیا جائے۔

"ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا یا نبی اللہ! میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی زندگی میں فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں، آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد پر کسی کا قرضہ ہوتا تو تم ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں ضرور ادا کرتا تو ارشاد فرمایا تو اللہ کا قرضہ ادا کرنا تو اور ضروری ہے۔[2]

---

[1] ترمذی۔

[2] جمع الفوائد باب النیابۃ فی الحج۔

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں

حج بدل صحیح ہونے کی سولہ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی پانچ شرطوں کا تعلق تو حج بدل کرانے والے کی ذات سے ہے اور گیارہ کا تعلق حج بدل کرنے والے شخص سے ہے۔

۱۔ حج بدل کرانے والے پر شرعاً حج فرض ہو، اگر کوئی ایسا شخص حج بدل کرائے، جس پر حج فرض نہ ہو (یعنی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو) تو اس حج بدل سے فرض ادا نہ ہوگا مثلاً اس حج بدل کے بعد وہ شخص صاحب استطاعت بن جائے اور اس پر حج فرض ہو جائے، تو اس کرائے ہوئے حج بدل سے اس کا فرض ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو حج بدل کرانا پڑے گا۔

۲۔ حج بدل کرانے والا خود حج کرنے سے معذور ہو، اگر معذوری عارضی ہے جس کے زائل ہونے کی امید ہے، تو حج بدل کرانے کے بعد جب وہ معذوری جاتی رہے اس کو پھر حج کرنا پڑے گا۔ اور اگر معذوری مستقل ہے اور اس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے مثلاً کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے یا نابینا ہے تو اس معذوری کا آخر وقت تک رہنا شرط نہیں ہے اگر اللہ نے اپنے فضل سے یہ معذوری حج بدل کرانے کے بعد دور فرما دی تو اب دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہے، فرض ادا ہو گیا۔

۳۔ معذوری حج بدل کرانے سے پہلے پائی جائے، اگر معذوری حج بدل کرانے کے بعد پیدا ہوئی ہے تو پہلے کرائے ہوئے حج بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور معذوری کے بعد حج بدل کرانا ضروری ہوگا۔

۴۔ حج بدل کرانے والا خود کسی سے حج کے لیے کہے، اگر کوئی شخص از خود دوسرے کی طرف سے اس کے کہے بغیر حج کرلے تو فرض ساقط نہ ہوگا، مرتے وقت وصیت کرنا بھی کہنے کے حکم میں ہے، البتہ کسی کا وارث اگر اس کی وصیت کے بغیر بھی اس کی طرف سے حج بدل کردے یا کسی سے کرادے تو فرض ادا ہو جائے گا۔

۵۔ حج بدل کرانے والا ہی حج کے سارے مصارف خود برداشت کرے۔

۶۔ حج بدل کرنے والا مسلمان ہو۔

۷۔ حج بدل کرنے والا صاحب ہوش وخرد ہو، دیوانہ اور مجنون نہ ہو۔

۸۔ حج بدل کرنے والا سمجھدار ہو، چاہے نابالغ ہی ہو، اگر کسی ناسمجھ سے حج بدل کرایا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۹۔ حج بدل کرنے والا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے جو حج بدل کرا رہا ہے۔

۱۰۔ وہی شخص حج کرے جس سے حج بدل کرانے والے نے کہا ہے، ہاں اگر یہ اجازت دی ہو کہ وہ دوسرے سے بھی حج بدل کرا سکتا ہے تو پھر دوسرے کے ذریعے حج بدل کرانا بھی صحیح ہوگا۔

۱۱۔ حج بدل کرنے والا اس شخص کی منشا کے مطابق حج کرے جو حج بدل کرا رہا ہے، مثلاً حج کرانے والے نے حج قران کو کہا ہے تو حج قران کرے، تمتع کو کہا ہے تو حج تمتع ہی کرے۔

۱۲۔ حج بدل کرنے والا ایک ہی حج کا احرام باندھے اور ایک ہی شخص کی طرف سے باندھے، اگر اس نے حج بدل کرانے والے کی طرف سے بھی احرام باندھا اور ساتھ ہی اپنے حج

کا بھی احرام باندھ لیا یا دو افراد کی طرف سے حج بدل کا احرام باندھ لیا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۳- حج بدل کرنے والا سواری سے حج کے لیے جائے، پاپیادہ حج نہ کرے۔

۱۴- حج بدل کرنے والا اسی مقام سے حج کا سفر کرے جہاں حج بدل کرانے والا رہتا ہو، البتہ میت کے تہائی مال میں سے حج بدل کرایا جا رہا ہو تو پھر اس رقم میں جہاں سے حج کیا جاسکتا ہو وہیں سے حج کے لیے سفر کیا جائے۔

۱۵- حج بدل کرانے والا حج کو فاسد نہ کرے، اگر فاسد کرنے کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس حج سے حج بدل کرنے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۶- حج بدل کرنے والے سے حج فوت نہ ہو جائے، اگر اس کا حج فوت ہو جائے اور وہ پھر اس حج کی قضا کرے تو اس قضا حج سے حج بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔ بعض کتابوں میں چند شرطیں اور بھی لکھی ہیں، لیکن وہ در اصل انہی شرائط میں سے کسی نہ کسی میں داخل ہیں۔ حنفیہ کے یہاں حج بدل کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ جس سے حج کرایا جا رہا ہے اس نے اپنا فریضۂ حج ادا کر لیا ہو[1]۔

---

[1] البتہ علمائے اہل حدیث کے نزدیک یہ ضروری شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہو ورنہ حج بدل صحیح نہ ہوگا۔

مدینہ منورہ کی حاضری

مدینۂ طیبہ میں حاضری بلاشبہ حج کا کوئی رکن نہیں ہے، لیکن مدینے کی غیر معمولی عظمت وفضیلت، مسجد نبویؐ میں نماز کا بے پایاں اجر وثواب اور دربارِ نبویؐ میں حاضری کا شوق، مومن کو کشاں کشاں مدینے پہنچا دیتا ہے، اور امت کا ہمیشہ سے یہی دستور بھی رہا ہے، آدمی دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے اور دربارِ نبویؐ میں درود وسلام کا تحفہ پیش کیے بغیر واپس آئے، یہ زبردست محرومی ہے، ایسی محرومی کہ اس کے تصور ہی سے مومن کا دل دکھنے لگتا ہے۔

مدینۂ طیبہ کی عظمت وفضیلت

مدینۂ طیبہ کی عظمت وفضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہاں محسنِ انسانیتؐ نے اپنی زندگی کے دس سال گزارے ہیں۔ یہاں آپؐ کی مسجد ہے جس میں آپؐ نے اپنے پاک ساتھیوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں، یہیں پر وہ میدان ہے جہاں حق وباطل کی فیصلہ کن جنگ ہوئی، اور اسی پاک زمین میں میدانِ بدر کے وہ شہداء آرام کر رہے ہیں، جن سے نسبت پر امت کو بجا طور پر فخر ہے، یہیں پر وہ سعید روحیں آرام کر رہی ہیں جن کو نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی، اور اسی سرزمینِ پاک میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

ہجرت سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد یہ مدینہ اور طیبہ کے نام سے مشہور ہوا اور خدا نے اس کا نام طابہ رکھا[1]

طابہ، طیبہ، اور طیّبہ کے معنی ہیں، پاکیزہ اور خوش گوار، اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین واقعی پاکیزہ اور خوش گوار ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت بلال رضؓ مدینے میں سخت بیمار ہو گئے اس لیے کہ یہاں کی آب و ہوا انتہائی خراب تھی اور اکثر وبائی بیماریوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "پروردگار ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت پیدا فرما دے، جس طرح ہمارے دلوں میں مکّے کی محبت ہے، یہاں کے بخار کو جحفہ کی جانب نکال دے اور یہاں کی آب و ہوا کو خوشگوار بنا دے[2]"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینۂ طیّبہ سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کبھی آپؐ سفر سے واپس آتے تو دور سے جونہی مدینے کی عمارتیں نظر آنے لگتیں، آپؐ فرطِ شوق میں اپنی سواری تیز کر دیتے اور فرماتے "طابہ آ گیا[3]" اور اپنی چادر شانۂ اقدس سے نیچے گرا کر فرماتے یہ طیبہ کی ہوائیں ہیں، آپؐ کے ساتھیوں میں سے جو لوگ گرد و غبار سے بچنے کے لیے اپنے منہ پر کچھ رکھتے اور بند کرتے تو آپؐ اس سے روکتے اور فرماتے مدینے

---

[1] حضرت جابر بن سمرہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے "اللہ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔" (مسلم)

[2] بخاری۔

[3] بخاری۔

کی خاک میں شفا ہے[1]

نیز آپؐ کا ارشاد ہے۔

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مدینے کی خاک میں ہر مرض کے لیے شفا ہے، (حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپؐ نے فرمایا تھا،" اور جذام اور برص کے لیے بھی اس میں شفا ہے[2]"

مدینے کی عظمت اور احترام کی تاکید آپؐ نے ان الفاظ میں فرمائی

"ابراہیمؑ نے مکے کو "حرم" قرار دینے کا اعلان فرمایا تھا اور میں مدینے کے حرم ہونے کا اعلان کرتا ہوں، مدینے کے دونوں درّوں کے درمیان کا پورا رقبہ "حرم" ہے، اس میں خونریزی نہ کی جائے کسی پہ ہتھیار نہ اُٹھایا جائے۔ اور درختوں کے پتے تک نہ جھاڑے جائیں، البتہ چارے کے لیے جھاڑے جا سکتے ہیں[3]"

مدینے میں سکونت اختیار کرنے اور وہاں کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا

"میری اُمت کا جو شخص بھی مدینے کی سختی اور شدت کو برداشت

---

[1] جذب القلوب۔

[2] الترغیب۔

[3] مسلم۔

کرکے وہاں سکونت پذیر رہے گا، قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کروں گا۔[1]

نیز فرمایا

"اپنی امت کے لوگوں میں سب سے پہلے میں مدینے والوں کی شفاعت کروں گا پھر اہل مکہ کی اور پھر طائف والوں کی"[2]

حضرت ابراہیمؑ نے مکے کی سرزمین میں اپنی ذریت کو بساتے ہوئے دعا فرمائی تھی۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ[3]

"لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کے لیے پھل عطا فرما تاکہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کا حوالہ دیتے ہوئے مدینے کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی،

"اے اللہ! ابراہیمؑ، تیرے خاص بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے

---

[1] مسلم۔

[2] طبرانی۔

[3] ابراہیم ۳۷۔

مکے کی خیر و برکت کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینے کی خیر و برکت کے لیے تجھ سے دعا کرتا ہوں بلکہ اتنی ہی اور زیادہ۔"[1]

مدینے کی پاکی اور دینی اہمیت بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک مدینہ اپنے اندر کے شر پسند عنصر کو اس طرح باہر نہ نکال پھینکے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔"[2]

مدینے میں وفات پانے کی آرزو اور کوشش کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا

"جو شخص مدینے میں وفات پانے کی کوشش کر سکتا ہو اس کو ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ مدینے ہی میں اس کو موت آئے، اس لیے کہ جو شخص مدینے میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔"[3]

حضرت ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ عوف بن مالک اشجعیؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمرؓ شہید کر دیے گئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا

"بھلا مجھے شہادت کیونکر نصیب ہو گی! جب کہ میں جزیرۃ العرب میں

---

[1] مسلم۔

[2] مسلم۔

[3] مسند احمد، ترمذی۔

رہ رہا ہوں، میں خود جہاد میں شریک نہیں ہوتا اور لوگ ہر وقت مجھے گھیرے رہتے ہیں، ہاں اگر خدا کو منظور ہوگا تو وہ انہی حالات میں مجھے شہادت کی سعادت سے نوازے گا۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ دُعا کی

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ موتي فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

"اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے اپنے رسولؐ کے شہر میں موت دے۔"

مسجد نبوی کی عظمت

مسجد نبوی کی عظمت اور فضیلت کے لیے یہی بات کیا کم ہے کہ اس کی تعمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی، اور برسوں اس میں نماز پڑھی، اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس کو اپنی مسجد کہا، آپؐ کا ارشاد ہے۔

"میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔"

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
"جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور ہر عذاب سے برأت لکھ دی جائے گی

اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی[1]

نیز ارشاد فرمایا

"میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا ممبر حوض کوثر پر ہے"[2]

روضۂ اقدس کی زیارت

کتنے خوش نصیب تھے وہ مومنین جن کی آنکھیں دیدارِ رسول سے روشن ہوئیں، جو آپؐ کی صحبت میں رہے، اور شب و روز آپؐ کے کلام سے مستفیض ہوئے، یہ سعادت تو صرف صحابۂ کرامؓ کے لیے مخصوص تھی لیکن یہ موقع قیامت تک باقی ہے کہ مشتاقانِ دیدار روضۂ اقدس پر حاضری دیں اور آپؐ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر درود و سلام کے تحفے پیش کریں۔

★ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے حج کیا، اور میری وفات کے بعد اس نے میرے روضے کی زیارت کی تو وہ زیارت کی سعادت پانے میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"[3]

نیز ارشاد فرمایا:۔

---

[1] الترغیب، مسند احمد

[2] بخاری، مسلم۔

[3] بیہقی۔

"جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی اور میری امت کا جو شخص میری زیارت کرنے کی وسعت اور طاقت رکھنے کے باوجود میری زیارت نہ کرے تو اس کا کوئی عذر، عذر نہیں ہے"[1]

اور فرمایا

"جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا کام نہ ہو تو اس کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں"[2]

روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

روضۂ اقدس کی زیارت واجب[3] ہے، احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے آپ کا ارشاد ہے، جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا، اور ایک حدیث میں ہے، جس نے استطاعت کے باوجود میری زیارت نہیں کی اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں —— انہی احادیث کی روشنی میں علماء نے روضۂ اقدس کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضؓ، تابعین اور دوسرے اسلاف روضۂ اقدس کی زیارت

---

[1] علم الفقہ۔

[2] علم الفقہ جلد پنجم۔

[3] علم الفقہ جلد پنجم۔

کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب بھی کسی سفر سے آتے تو سب سے پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں درود و سلام پڑھتے۔

حضرت عمرؓ کعب احبار کو لے کر مدینے آئے اور مدینے پہنچ کر سب سے پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، اور جنابِ رسالتؐ میں درود و سلام پیش کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو شام سے خاص اس مقصد کے لیے اپنے قاصد کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر دربارِ رسالتؐ میں ان کا سلام پہنچا دے[1]

---

[1] علم الفقہ جلد پنجم۔

حج کی دُعائیں ـــــ ایک نظر میں

حج کے دوران مختلف مقامات پر ارکانِ حج ادا کرتے وقت جو مسنون دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ اپنے اپنے موقع پر اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں، اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ اور مطلب بھی دیا گیا ہے۔ یہاں ان کی فہرست اور صفحات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔

مقاماتِ حج

حرم پاک اور اس کے قرب وجوار کے مقدس مقامات جہاں حج و ارکان ادا کیے جاتے ہیں نہایت ہی قابلِ عظمت و احترام ہیں، یہ دراصل شعائر اللہ ہیں، ان کا اسلامی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ ان سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بالخصوص زائرین حرم کے لیے، تاکہ وہ حج سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں، اور ان کے حج میں وہ روحانی کیفیت پیدا ہو سکے جو حج کی جان ہے۔ سہولت کے لیے ان مقامات کا تعارف حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ بیت اللہ

یہ ایک چوکور مقدس عمارت ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر فرمائی تھی اور ان جذبات اور تمناؤں کے ساتھ تعمیر فرمائی تھی، کہ یہ ساری انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک مرکزِ ہدایت بنے۔ یہیں سے وہ رسول اٹھیں جو سارے عالم کی رہنمائی اور ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیں، اور یہیں سے ان کی قیادت میں وہ اُمت اُٹھے جو قیامت تک تبلیغِ دین اور کارِ رسالت کا گراں ترین فریضہ انجام دیتی رہے، قرآن کی شہادت ہے کہ روئے زمین پر اولادِ آدم کے لیے خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ یہی "بیت اللہ" ہے، یہ سارے جہاں کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ اور مرکزِ ہدایت ہے، حج میں زائرِ حرم اسی کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے۔

۲۔ بطنِ عُرنہ

میدانِ عرفات میں ایک خاص مقام ہے جو بطنِ عُرنہ یا وادیٔ عُرنہ کے نام سے مشہور ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر اسی وادی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خطاب فرمایا تھا۔

۳۔ جبلِ رحمۃ

میدانِ عرفات کے درمیان ایک متبرک پہاڑ ہے۔

۴۔ جبلِ عرفات

میدانِ عرفات کا ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کی وجہ سے ہی اس وادی کو وادیٔ عرفات یا میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

۵۔ جبلِ قزح

مزدلفے میں مشعر الحرام کے پاس ایک پہاڑ ہے۔

۶۔ جُحفہ

مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو اسی کلو میٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ اہلِ شام کے لیے اور ان تمام لوگوں کے لیے میقات ہے جو شام کے راستے سے حرم میں داخل ہوں۔

۷۔ جمرات

منیٰ میں فاصلے فاصلے سے تین مقامات پر تین ستون بنے ہوئے ہیں ان ستونوں کو جمرات کہتے ہیں۔ پہلا ستون جو مسجدِ خیف کی جانب بازار میں ہے اس کو جمرۂ اُولیٰ کہتے ہیں، دوسرا ستون جو بیت اللہ کی جانب ہے اس کو

جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں، تیسرا استون جوان کے درمیان میں ہے اس کو جمرۂ وسطیٰ کہتے ہیں۔

۸۔ حرم

شہر مکہ جس میں بیت اللہ اور مسجدِ حرام واقع ہے اور اس کے آس پاس کے کچھ علاقے حرم کہلاتے ہیں، حرم کے یہ حدود معلوم اور متعین ہیں، پہلے یہ حدود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمائے تھے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔
مدینے کی سمت میں تقریباً پانچ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے یمن کی جانب تقریباً گیارہ کلومیٹر، اور طائف کی جانب بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور قریب قریب اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب حرم کی حد ہے اور جدّے کی سمت میں تقریباً سترہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروق رض، حضرت عثمان غنی رض اور حضرت معاویہ رض نے اپنے اپنے دور میں ان حدود کی تجدید فرمائی ــــــ خدا کے دین سے شغف اور وفاداری کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان حدود کی عظمت و احترام اور حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں۔ اور ان امور سے بچتے رہیں جن کا کرنا ان حدود میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ حطیم

بیت اللہ کے شمال، مغرب کا وہ حصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں کعبہ کی عمارت میں شامل تھا، اور بعد کی تعمیر میں شامل نہ کیا جا سکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے آگ لگنے کی وجہ سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا، قریش نے جب اس کی دوبارہ تعمیر کی تو سرمایہ کم پڑ گیا اور کچھ دیوار چھوٹی کر دی

گئی، اسی چھوٹے ہوئے حصے کو حطیم کہتے ہیں۔ حطیم چونکہ فی الواقع بیت اللہ ہی کا حصہ ہے اس لیے طواف کرنے والے حطیم کے باہر باہر طواف کرتے ہیں تاکہ حطیم کا بھی طواف ہو جائے۔

۱۰۔ ذاتِ عرق

مکہ معظمہ سے شمال مشرق کی جانب مکے سے تقریباً اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق کے لیے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے بھی جو عراق کی جانب سے حرم میں داخل ہوں۔

۱۱۔ ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آتے ہوئے، مدینے سے آٹھ، نو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ مقام مکہ معظمہ سے تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مدینے سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے۔

۱۲۔ رکنِ یمانی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو یمن کی جانب ہے اس کو رکن یمانی کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، آپؐ کا ارشاد ہے "رکن یمانی اور حجرِ اسود کو چھونے سے خطائیں مٹ جاتی ہیں[1]"

۱۳۔ زمزم

زمزم ایک تاریخی کنواں ہے جو بیت اللہ سے مشرق کی جانب واقع ہے،

---

[1] الترغیب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم سے اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکے کے بے آب و گیاہ ریگستان میں لا کر بسایا تو اللہ نے ان پر رحم کھا کر خصوصی فضل فرمایا اور اس چٹیل میدان میں ان کی خاطر زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں اس چشمے کی اور اس کے پانی کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے آبِ زمزم کو خوب سیر ہو کر پینا چاہیئے۔ یہ جس مقصد کے لیے پیا جائے مفید ہے، یہ بھوکے کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے۔

۱۴۔ صفا

بیت اللہ سے جنوب کی جانب ایک پہاڑی کا نام ہے، اب تو اس پہاڑی کا بہت معمولی سا نشان باقی رہ گیا ہے، اس کے بالمقابل بیت اللہ کے شمال میں مروہ پہاڑی ہے اور ان دونوں کے درمیان زائرِ حرم کے لیے سعی کرنا واجب ہے، اس سعی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔

۱۵۔ عرفات

مکہ مکرمہ سے تقریباً پندرہ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک نہایت ہی وسیع و عریض کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ میدانِ عرفات میں پہنچنا اور وقوف کرنا حج کا اہم ترین رکن ہے، اور جس نے یہ رکن چھوڑ دیا اس کا حج ہی نہیں ہوا۔ حدیث میں وقوفِ عرفات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۱۶۔ قرن المنازل

مکہ معظمہ سے شرق کی جانب جانے والی سڑک پر ایک پہاڑی مقام ہے، یہ مکہ

معظمہ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ نجد کے رہنے والوں کے لیے میقات ہے اور اُن سارے لوگوں کے لیے بھی جو نجد کے راستے حرم میں داخل ہوں۔

۱۷۔ محصّب

مکہ معظمہ اور منیٰ کے درمیان ایک میدان تھا جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا اس کو محصّب کہتے تھے۔ آج کل یہ آباد ہو گیا ہے اور اب اس کو "معابدہ" کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے جاتے ہوئے یہاں کچھ دیر کے لیے ٹھیرے تھے، لیکن محصّب میں ٹھیرنا مناسکِ حج میں سے نہیں ہے۔

۱۸۔ مزدلفہ

منیٰ اور عرفات کے بالکل درمیان میں ایک مقام ہے اس کو جمع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ۱۰ ذوالحجہ کی شب میں حاجی لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں، مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور وقوف کا اصل وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔

۱۹۔ مسجد الحرام

مسجد الحرام دنیا کی تمام مسجدوں میں افضل مسجد ہے بلکہ نماز پڑھنے کی اصل جگہ یہی ہے اور دنیا کی ساری مسجدیں درحقیقت اسی کی قائم مقام ہیں ۔ یہ وہ مبارک مسجد ہے جس کے درمیان میں اللہ کا وہ گھر واقع ہے، جو دنیا میں خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے اور جو ساری انسانیت کے لیے ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا

اجروثواب دوسری جگہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

۲۰۔ مسجدِ نبویؐ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینے آئے تو آپؐ نے یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی، تعمیر میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپؐ خود بھی برابر شریک رہے، اور اس کے بارے میں فرمایا، یہ میری مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس مسجد میں نماز پڑھی، اور صحابہ کرامؓ نے بھی برسوں پڑھی، اس مسجد کی فضیلت وعظمت کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا

"صرف تین مسجدوں کے لیے آدمی سفر کر سکتا ہے، مسجدِ حرام کے لیے، مسجد اقصیٰ کے لیے اور میری اس مسجد کے لیے"[1]

نیز ارشاد فرمایا

"جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب سے برات اور نجات لکھ دی جائے گی، اور اسی طرح نفاق سے برات لکھ دی جائے گی"[2]

۲۱۔ مسجدِ خیف

منیٰ میں ایک مسجد ہے، منیٰ میں وقوف کے دوران حجاج اسی مسجد میں ظہر، عصر

---

[1] بخاری، مسلم۔

[2] الترغیب۔

مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

۲۲۔ مسجد نمرہ

حرم اور عرفات کی عین سرحد پر یہ مسجد واقع ہے۔ اس مسجد کی جو دیوار کے کی جانب ہے وہ حرم اور عرفات کے درمیان حدِ فاصل ہے، دورِ جاہلیت میں قریش کے لوگ عرفات جانے کے بجائے حرم کے حدود ہی میں یعنی مشعر الحرام کے پاس وقوف کرتے تھے، اور اس کو اپنا خصوصی امتیاز سمجھتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ حکم دیا تھا کہ آپؐ کا خیمہ "نمرہ" میں نصب کیا جائے، چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق آپؐ کا خیمہ نمرہ ہی میں نصب کیا گیا۔ اسی مقام پر "مسجد نمرہ" ہے۔

۲۳۔ مشعر الحرام

مزدلفے کے میدان میں ایک اونچا سا نشان ہے، اس کے کنارے کنارے احاطہ بنا دیا گیا ہے، اس کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔ اس مقام پر کثرت سے ذکر و تسبیح کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ پر چڑھ کر ذکر و تسبیح فرمائی اور دعا کی۔ یہ مقام بھی دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے۔

فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ۔ (البقرہ: ۱۹۸)

"پس جب تم عرفات سے لوٹ کر آؤ تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جس طرح تمہیں اس نے ہدایت دی ہے اسی طرح یاد کرو۔"

۲۴۔ مطاف

بیت اللہ کے چاروں طرف کنارے بیضوی شکل کی جگہ بنی ہوئی ہے، جس میں حطیم بھی داخل ہے، اس کو مطاف کہتے ہیں۔ مطاف، طواف کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں، یہاں شب و روز بیت اللہ کے پروانے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور جماعت کے وقت کے علاوہ دن ہو یا رات ہر وقت کچھ لوگ طواف میں مشغول ہوتے ہیں۔

۲۵۔ مقامِ ابراہیمؑ

بیت اللہ سے شمال، مشرق کی جانب بابِ کعبہ سے کچھ فاصلے پر ایک قبہ بنا ہوا ہے اس کے اندر ایک مبارک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات ہیں، اسی کو مقام ابراہیم کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، یہ خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، خدا کی ہدایت ہے

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ (البقرہ: ۱۲۵)

"اور مقامِ ابراہیمؑ کو مستقل عبادت گاہ قرار دے لو"

طواف کے شوط پورے کرنے کے بعد طواف کرنے والے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، نماز پڑھنے کی جگہ مقام ابراہیم اور بابِ کعبہ کے درمیان بنی ہوئی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا بیان ہے کہ مقام ابراہیمؑ اس وقت اسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں اس کو حضرت ابراہیمؑ رکھ گئے تھے۔

۲۶۔ مُلتزم

بیت اللہ کی دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں جو باب کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان ہے۔ یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور قبولیتِ دُعا کے اہم مقامات میں سے ہے، ملتزم کے معنی ہیں چمٹنے کی جگہ۔ اس مقام سے چمٹ کر اور چہرہ لگا کر انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا مانگنا مسنون ہے۔

۲۷۔ مِنیٰ

حدودِ حرم میں مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی شب، حجاج اسی مقام پر گزارتے ہیں اور ۹ر ذوالحجہ کو اچھی طرح دن نکلنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

۲۸۔ میلینِ اخضرین

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان مروہ کی طرف جاتے ہوئے بائیں جانب کو دو سبز نشان ہیں ان کو میلینِ اخضرین کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے، مگر صرف مردوں کے لیے خواتین نہ دوڑیں، بلکہ معمولی رفتار سے ہی سعی کریں۔

۲۹۔ وادیٔ محسّر

مزدلفہ اور منیٰ کے درمیانی راستے میں ایک مقام ہے اس کو محسّر کہتے ہیں۔ ولادتِ رسولؐ سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمراں ابرہہ نے بیت اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، جب وہ وادیٔ محسّر

میں پہنچا تو خدا نے سمندر کی جانب سے ننھے ننھے پرندوں کی فوج بھیجی جن کے پنجوں اور چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، اور انہوں نے ابرہہ کی ہاتھی سوار فوج پر کنکریوں کی ایسی ہلاکت انگیز بارش کی کہ ساری فوج تہس نہس ہو گئی۔ زائرین حرم اس مقام سے کنکریاں اٹھا کر ساتھ لاتے ہیں اور اسی سے رمی کرتے ہیں جو اس عزم کا اظہار ہے کہ دینِ حق کی بنیادیں ڈھانے کے لیے کسی نے بھی آگے بڑھنے کا ناپاک ارادہ کیا تو ہم اُسے اسی طرح تہس نہس کر دیں گے جس طرح ابابیل نے ابرہہ کی فوج کو تہس نہس کر دیا تھا۔

وادیٔ محسّر کے پورے میدان میں بھورے رنگ کی بجری ہے، حُجّاج کو چاہیے کہ یہاں سے چنے کے دانے کے برابر کنکریاں حسبِ ضرورت اُٹھا کر جلد اس مقام سے گزر جائیں، یہ مقامِ عذاب ہے۔

۳۰۔ یلملم

مکّے سے جنوب، مشرق کی سمت میں یمن سے آنے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکّے سے تقریباً ساٹھ کلو میٹر کی دوری پر ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والوں کی میقات ہے، اہلِ ہند اور اہلِ پاکستان کو بھی اسی مقام پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔